Globethics Repository

Kitab al-Bid'ah 1 (Part 2)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	ManshuratMinhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-09-10 15:30:52
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/186028

باب: ۷

اِجتہاد اور تصورِ بدعت

- أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال
- اِجتہاد پر اَجر و ثواب کی نوید
- اُمورِ حسنہ کا اِجراء اور تصورِ بدعت
- مثالوں سے وضاحت
- خلاصۂ بحث

زندگی کی تمام تر اِرتقا پذیری اِجتہاد ہی کی مرہونِ منت ہے۔ مجتہدین کا سب سے بڑا کارنامہ ہی ممکناتِ حیات کو بروئے کار لا کر اِنہیں ترقی کی راہ پر لگانا ہے۔ دینِ اِسلام کی فطرت میں اللہ ﷻ نے ایسی خوشگوار اور اَبدی لچک رکھی ہے کہ اگر ایک طرف یہ تمام اَحوال و ظروف اور زمان و مکان کے مطابق معاشرے کی اِنفرادی اور اِجتماعی ضروریات کو پورا کرتا ہے تو دوسری طرف اپنے تمام اَساسی اور بنیادی اُصولوں کو قائم رکھتے ہوئے اپنی ہیئتِ اَصلیہ کو بھی برقرار رکھتا ہے۔ ذیل ہم چند اَحادیثِ نبویہ کی روشنی میں ''اِجتہاد اور تصورِ بدعت'' کے حوالے سے تفصیلات بیان کریں گے تاکہ نفسِ مضمون سے متعلق ذہنوں میں پائے جانے والے اِبہام کو دور کیا جا سکے۔

حدیث أَجْتَهِدُ بِرَأيِي سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال

اگر کسی مسئلہ کا کوئی حل قرآنِ مجید اور سنّت نبوی ﷺ دونوں سے نہ ملے تو اِجتہاد کرنا نہ صرف جائز بلکہ حکمِ نبوی پر مبنی ہے۔ یہ حکم اَزخود نئے کام کو جو قرآن و سنّت میں نہ تھا، محض خیر اور دینی ضرورت و مصلحت کی بنا پر نہ صرف جواز فراہم کر رہا ہے بلکہ خود اس عملِ اجتہاد کو بھی سنّت بنا رہا ہے۔ اس حقیقت پر حدیثِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شاہد عادل ہے۔ امام ابو داودؒ (۲۷۵ھ) اپنی سنن میں **کتاب الأقضيه، باب اجتهاد الرأی فی القضاء** میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اُن سے پوچھا:

كيف تقضی إذا عرض لک قضاء؟ قال: أقضی بكتاب الله قال: فإن لم تجد في كتاب الله؟ قال: فبسُنة رسول الله ﷺ قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله ﷺ ولا فی كتاب الله؟ قال: أجتهد

برأي ولا آلو قال: فضرب رسول الله ﷺ صدره، فقال: الحمد لله الذي وفّق رسول رسول الله ﷺ لما يرضي رسول الله ﷺ۔(۱)

’’(اے معاذ ﷺ) جب آپ کے سامنے کوئی معاملہ پیش کیا جائے گا تو آپ کس طرح اس کا فیصلہ کریں گے؟ تو انہوں نے عرض کیا: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو اس معاملے کو کتاب اللہ میں نہ پائے تو اس پر حضرت معاذ ﷺ نے جواب دیا کہ پھر میں سنت رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر حضور علیه الصلاة و السلام نے فرمایا: اگر تو اس معاملے کا حل سنت رسول ﷺ اور کتاب اللہ میں بھی نہ پائے تو انہوں نے عرض کیا کہ **پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ حضرت معاذ ﷺ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے (اپنا دستِ شفقت) میرے سینے پر مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اس خدا کی ہیں جس نے اپنے رسول ﷺ کے نمائندہ کو ایسی توفیق بخشی جو اس کے رسول ﷺ کی رضا کا سبب ہے۔‘‘**

اس حدیثِ مبارکہ میں حضرت معاذ ﷺ کے الفاظ ’’أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي‘‘ اور اس پر حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ لِمَا يُرْضِيُ

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب القضاء، باب اِجتهاد الرائی فی القضاء، ۳:۳۰۳، رقم: ۳۵۹۲

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الأحکام، باب ما جاء فی القاضی، ۳: ۶۱۲، رقم: ۱۳۲۷

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۱۴، رقم: ۲۰۳۳۹

۴۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۴: ۵۴۳

۵۔ طیالسی، المسند، ۱: ۷۶، رقم: ۵۵۹

۶۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۷۲، رقم: ۱۲۴

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۱۷۰، رقم: ۳۶۲

رَسُوْلَ اللهِ ﷺ‘‘ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے جواب پر نہ صرف اِطمینان کا اِظہار کیا گیا بلکہ اِس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو اَمر قرآن وسنت میں نہ ہو بلکہ اِجتہاد اور رائے محمود کی بنیاد پر طے کیا جائے تو یہ نہ صرف مستحسن ہے بلکہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کا منظور شدہ طریق ہے۔ یہی اُصول ’’بدعت حسنہ‘‘ میں کارفرما ہے جو اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نئے نئے پیش آمدہ مسائل میں رائے اور اِجتہاد سے کام لینے اور اپنی فہم و بصیرت سے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ **علامہ ابن قیم جوزی**(۷۵۱ھ)، إعلام الموقعین میں نقل کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعض ناگزیر حالات میں اپنی رائے سے اِجتہاد اور اہلِ علم سے مشورہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے **قاضی شریح** (۷۶ھ) کو فرمایا:

> **أن أقض بما استبان لک من قضاء رسول الله ﷺ فإن لم تعلم کل أقضية رسول الله ﷺ فاقض بما استبان لک من ائمة المهتدين فإن لم تعلم کل بما قضيت به ائمة المهتدين فاجتهد رأيک واستشر أهل العلم والصّلاح۔(۱)**

> ’’جو بات رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے ظاہر ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو اگر رسول اللہ ﷺ کے تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو ہدایت یافتہ ائمہ کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ان کے بھی تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اہلِ علم وصلاح سے مشورہ کرو۔‘‘

ان احادیثِ مبارکہ سے یہ اُصول بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اگر نفس الامر اور اس کا حل خود قرآن وسنّت سے ثابت نہیں تو اس کے حل کا طریق جو مبنی بر ’’رائے واجتہاد‘‘ ہے وہ تو سنّت سے ثابت ہے لہٰذا ’’نفس الامر اور اس کا حل‘‘ نیا ہونے کی بنا پر تو ’’بدعت‘‘ ہوئے مگر اس حل کا طریق مشروع ہے اس لئے تابع سنّت ہوا۔ سو ’’نئے پن‘‘ نے اس عمل کو بدعتِ لغوی بنایا تھا اور طریق کی مشروعیت نے اسے بدعت حسنہ بنا دیا۔ **یہی وہ دائمی**

(۱) ابن قیم، اعلام الموقعین: ۹۷

اصول ہے جو دین اسلام کی تعلیمات کو زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ابدالاباد تک تحرک اور تسلسل دیتا ہے، اسی اُصول کے باعث اِسلامی نظامِ حیات میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول اِسلامی احکام کی دائمی اور متحرک عملیّت (Dynamism) اور لایزال مطابقیت (Un-ending compatability) برقرار رکھتا ہے جس سے اس نظام کی تازگی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

اِجتہاد پر اَجر و ثواب کی نوید

جب کوئی مجتہد خلوصِ نیت کے ساتھ کسی حکم کا اِستنباط کرتا ہے اور وہ حکم درست ہو تو اسے اللہ کی طرف سے دو اَجر ملتے ہیں اور اگر وہ حکم درست نہ ہو بلکہ غلط ہو تب بھی اس مجتہد کو اپنے اِجتہاد پر ایک اَجر ملتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ۔(۱)

''جب کوئی حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ کردے تو اس کے لئے دو

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم اِذا اجتهد، ۶:۲۶۷۶، رقم: ۶۹۱۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیه، باب بیان اجر الحاکم اِذا اجتهد فأصاب او اخطأ، ۳:۱۳۴۲، رقم: ۱۷۱۶

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی یُصیب ویخطیٰ، ۳:۶۱۵، رقم: ۱۳۲۶

۴۔ ابوداؤد، السنن، کتاب القضاء، باب فی القاضی یُخطِی، ۳:۲۹۹، رقم: ۳۵۷۴

۵۔ نسائی، السنن، کتاب آداب القضاة، باب الاصابة فی الحکم، ۸:۲۲۳، رقم: ۵۳۸۱

۶۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأحکام، باب الحاکم یجتهد فیصیب الحق، ۲: ۷۷۶، رقم: ۲۳۱۴

اجر ہیں اور جب اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس سے غلطی ہو جائے تو بھی اس کے لئے ایک اجر ہے۔‘‘

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجتہد کی اس قدر حوصلہ افزائی کیوں؟ کہ غلطی اور خطا پر بھی اسے ’’اجر‘‘ سے نوازا جائے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر مجتہدین و محققین کو اِس اَمر کا پابند کر دیا جائے کہ وہ نظام الأحکام کو صرف عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے قضایا اور نظائر تک محدود رکھیں اور نئے اقدامات کو بدعت سمجھ کر چھوڑ دیں تو قدیم اور جدید میں فاصلے برقرار رہتے۔ جس کے نتیجے میں لامحالہ اسلامی طرزِ زندگی جمود کا شکار ہو جاتی، چونکہ مجتہد نئے فیصلوں کے ذریعے امکانِ جمود کو ختم کرتا ہے، احکامِ شریعت کے تحرک و تسلسل کے برقرار رہنے کا باعث بنتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ غلط نتیجہ برآمد ہونے کی صورت میں بھی اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی اس کی مجتہدانہ کاوش اور جرأت کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ فیصلہ صاف ظاہر ہے ایک ’’نیا قدم‘‘ ہی ہوگا۔ **اگر نصوصِ قرآن و سنّت یا عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ سے ثابت ہوتا تو اجتہاد نہ کہلاتا بلکہ وہ حکمِ منصوص ہی ہوتا چونکہ وہ اَساسی مصادر سے یا زمانہ تشکیلِ سنّت سے ثابت نہیں ہے اس لئے لغۃً بدعت ہے، طریقۃً اجتہاد ہے، ضرورۃً مصلحت ہے اور حکمًا ’’حسنہ‘‘ ہے۔ اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ یہی ’’اِجتہادِ ماجور‘‘ ہے اور یہ حکمِ رسول ﷺ ہے۔ اور اصلاً سنّتِ نبوی ﷺ کے تابع ہے۔**

اُمورِ حسنہ کا اِجراء اور تصورِ بدعت

اِمام مسلمؒ (۲۶۱ھ) **کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقہ** میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اَعمالِ خیر اور اُمورِ حسنہ کے اِجراء کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

من سنّ فی الاسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شئ ومن سنّ فی الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها و وزر من عمل بها من بعده من غير أن

ينقص من أوزارهم شيئ۔(۱)

''جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اس کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا اور ان عاملین کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے عمل کی ابتدا کی اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا اوران عاملین کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

امام یحیٰی بن شرف نوویؒ (۶۷۶ھ) مذکورہ حدیث کی شرح میں نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء کے حق میں دلائل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

قوله ﷺ مَنْ سَنَّ سُنّة حسنة و من سنَّ سنَّة سيّئة و فى الحديث الآخر من دَعَا اِلیٰ هدى و من دعا اِلى ضلالة(۲) هذان الحديثان

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۲:۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث على الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۳۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، ۱:۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

۶۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

۷۔ دارمی، السنن، ۱:۱۴۱، رقم: ۵۱۴

۸۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۲:۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳

۹۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۴:۱۷۵، رقم: ۷۵۳۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، و من دعا إلى هدى او ضلالة، ۴:۲۰۶۰، رقم: ۲۶۷۴

←

صریحان فی الحثِّ علی استحباب سنّ الامور الحسنة و تحریم سنّ الامور السیّئة۔(۱)

''حضور ﷺ کا فرمان ''من سنَّ سنة حسنة و من سن سنة سیئة'' اور ایک دوسری حدیث مبارکہ ''من دعا الی هدی ومن دعا الی ضلالة'' یہ دونوں احادیث اُمورِ حسنہ کے اجراء کے استحباب اور اُمور سیئہ کے اجراء کی ممانعت پر صریحاً دال ہیں۔''

اگر کچھ تعمّق اور تفکّر سے کام لیا جائے تو یہ واضح ہو جائیگا کہ یہاں لفظِ ''سنّت'' سے مراد سنّتِ شرعی نہیں بلکہ سنّتِ لغوی ہے گویا لفظِ بدعت کی طرح لفظِ سنّت کا اِطلاق دو طرح پر ہے۔ اگر ''من سنَّ فی الاسلام سُنّةً'' سے مراد یہاں پر شرعی معنی میں سنّتِ رسول ﷺ یا سنّتِ صحابہ ہوتی تو اسے ''سُنّةً حَسَنَة'' اور ''سُنَّةً سَیّئَةً'' میں ہرگز تقسیم نہ کیا جاتا۔ کیونکہ سنّتِ رسول ﷺ تو ہمیشہ ''حسنة'' ہی ہوتی ہے۔ اس کے سیّئہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں پر حضور ﷺ نے لفظ تو ''سنّت'' کا استعمال فرمایا ہے مگر اس کے اطلاق میں حسنہ اور سیّئہ دو اقسام بیان کی ہیں ان میں ایک پر اجر کی نوید اور

۲۔ترمذي، السنن، کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فیمن دعا إلی هدی فاتبع او إلی ضلالة، ۵:۴۳
۳۔ابو داؤد،السنن کتاب السنة، باب لزوم السنة، ۴:۲۰۱، رقم: ۴۶۰۹، ۴۔ابن ماجة،السنن،المقدمة، باب من سن سنة حسنة او سیئة، ۱:۷۵، رقم: ۲۰۶
۵۔ ابن حبان، الصحیح باب ذکر الحکم فیمن دعا إلی هدی او ضلالة فاتبع علیه، ۱:۳۱۸، رقم: ۱۱۲
۶۔دارمی، السنن، ۱:۱۴۱، رقم: ۵۱۳
۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۹۷، رقم: ۹۱۴۹
۸۔ابو عوانة، المسند، ۳:۴۹۴، رقم: ۵۸۲۳
(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۲:۳۴۱

دوسری قسم پر گناہ کی وعید فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ’’سنّت‘‘ کی تقسیم تو حسنہ اور سیّئہ میں صراحتًا کر دی گئی ہے۔ جس سے انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اب اس کی توجیہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ یہاں لفظِ سنّت اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ شرعی معنی میں۔ **اس سے مراد کوئی ’’نیا راستہ‘‘ نکالنا ہے۔** ذیل میں چند مثالوں سے اجتہاد اور تصورِ بدعت کی وضاحت کی جائے گی۔

مثالوں سے وضاحت

ا۔ آغازِ اسلام میں یہ دستور تھا کہ اگر حضور ﷺ نماز کی اِمامت کرا رہے ہوتے اور دورانِ نماز کوئی آ جاتا تو وہ دوسرے صحابی سے پوچھ کر کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں اُتنی رکعتیں پہلے پڑھ کر پھر حضور ﷺ کے ساتھ جماعت مل جاتا۔ ایک دن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے:

لَا اَجِدُه عَلٰی حالٍ اَبَداً اِلَّا كُنْتُ عَلَيْهَا ثُمَّ قَضَيْتُ مَا سَبَقَنِي۔(۱)

’’میں تو حضور ﷺ کو (دورانِ نماز) جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے اسے حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اَدا کر لوں گا۔‘‘

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی باقی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

اِنَّه قَدْ سَنَّ لَكُمْ مُعَاذٌ فَهٰكَذَا فَاصْنَعُوْا۔(۲)

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۴۶، رقم: ۲۲۴۷۵

(۲) ۱۔ ایضاً

۲۔ أبوداؤد، السنن، كتاب الصلاة، باب كيف الأذان، ۱: ۱۳۹، رقم: ۵۰٦

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۱۳۴، رقم: ۲۷۱ ←

''معاذ رضی اللہ عنہ نے تمہارے لیے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے تم بھی اب یونہی کیا کرو۔''

اس مقام پر غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے اس طریقے کو ترک کیا جس پر تمام صحابہ عمل پیرا تھے لیکن چونکہ حضرت معاذؓ کا عمل مبنی بر خلوص اور اَدب تھا لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس عمل کو پسند کیا اور اِس کی تحسین فرماتے ہوئے صحابہ کو اِس ''نئے عمل'' کو اپنانے کا حکم دیا۔

۲۔ قرآنِ حکیم کی جمع و تدوین بھی صحابہ کا ایک مجتہدانہ فیصلہ تھا۔ اگر چہ یہ ایک ''نیا عمل'' تھا اوران کے پاس اس کو جمع کرنے کے متعلق کوئی صریح حکم بھی موجود نہیں تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی اِجتہادی بصیرت سے کام لیتے ہوئے اس نئے لیکن مبنی بر خیر عمل کے ذریعے جمع و تدوین کی صورت میں ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ **علامہ شاطبیؒ** (۷۹۰ھ) اپنی معروف کتاب ''الاعتصام'' میں قرآن کی جمع و تدوین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إتفقوا علی جمع المصحف ولیس ثَمَّ نص علی جمعہ و کتبہ۔(۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا۔''

------ ۴۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۰:۱۳۳، رقم: ۲۷۰
۵۔ بیہقي، السنن الکبریٰ، ۳:۹۳، رقم: ۴۹۲۵
۶۔ بیہقي، السنن الکبریٰ، ۲:۲۹۶، رقم: ۳۴۳۳
۷۔ عسقلاني، الدرایة في تخریج احادیث الھدایة، ۱:۲۳۴
۸۔ عسقلاني، تلخیص الحبیر، ۲:۴۲، رقم: ۵۹۶
(۱) شاطبی، الاعتصام، ۲:۱۱۵

اِس سے یہ نتیجہ اَخذ کیا جا سکتا ہے کہ خیر اور دینی مصالح پر مبنی اُمور کو سرانجام دینا صحابہ کرام کی سنت ہے اور انہیں محض ''نیا عمل'' ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جمعِ قرآن کی فکر دامن گیر ہوئی تو آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: میری یہ تجویز ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے تا کہ اس طرح اس کی حفاظت کا بہتر اہتمام ہو سکے گا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اِبتداءً یہ جواب دیا کہ **کیف أفعل شیئا؟ ما لم یفعله رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی ''میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں؟ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے امیرالمومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن "**ھو و اللہ خیر**''، یعنی اللہ کی قسم ہے بہت اچھا، لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب شرحِ صدر نصیب ہوا تو انہوں نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نوجوان اور سمجھ دار شخص ہیں اور کاتب وحی بھی رہے ہیں، لہٰذا آپ قرآن کو مختلف مقامات سے تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جب اتنی بڑی اور نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑا تو عرض کرنے لگے: ''اللہ کی قسم (ابوبکر رضی اللہ عنہ) مجھے اگر ایک پہاڑ کو دوسرے کی جگہ منتقل کرنے کی تکلیف دیتے تو قرآن کو جمع کرنے سے وہ کام میرے لئے بھاری نہ ہوتا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس نئے کام کو سرانجام دینے کے حوالے سے میں نے حضرت عمر بن خطاب اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے عرض کیا:

کیف تفعلان شیئا؟ لم یفعله النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **فقال: أبوبکر ھو واللہ خیر**۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، **باب قولہ لقد جاء کم رسول**، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۲۹، کتاب الاحکام، **باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً**، رقم: ۶۷۶۸

←

آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔‘‘

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اس کی حکمت واضح ہوگئی تو وہ اس بابرکت کام کے لئے تیار ہو گئے، اس طرح جمع و تدوینِ قرآن کا یہ اہم فریضہ عہدِ صدیقی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اس حدیثِ مبارکہ میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ **کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی** ﷺ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کام کے بدعت یعنی ’’نیا‘‘ ہونے کا انکار کیا ہے بلکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وہی الفاظ دہرائے کہ ’’**ھو و اللہ خیر**‘‘ یعنی اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تازہ بہ تازہ اور نت نئے پیدا ہونے والے مسائلِ حیات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اِجتہاد اور بدعت میں واضح تمیز کرتے تھے اور چھوٹے چھوٹے اُمورِ خیر اور اَعمالِ صالحہ کو محض نیا ہونے کی وجہ سے ردّ کرنے کی بجائے **مَنْ سَنَّ فی الاسلام سُنّة حسنة**(۱) کے تحت دین کے وسیع دامن میں جگہ دیتے

...... ۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۲۸۳، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

۸۔ ابو یعلی، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۹۱

۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۰، رقم: ۲۲۰۲

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

←

تھے۔ صحابہ کی اس مجتہدانہ روش سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ کام جو مبنی برحکمت و مصلحت ہو اور احکامِ شریعت سے متعارض و متناقض بھی نہ ہو وہ بلاشک و شبہ مباح، جائز اور مشروع ہے۔

۳۔ سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے باجماعت نمازِ تراویح کے اِہتمام اور اس پر ''نعم البدعة هذه'' کے فرمان نے ہمیشہ کے لیے اجتہاد اور بدعت کے فرق کو واضح کر دیا۔ باجماعت نمازِ تراویح کا پس منظر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین راتوں کے سوا یہ نماز باجماعت نہیں پڑھائی۔ اس کے بعد عہدِ صدیقی کے اَڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کہیں لوگ نمازِ تراویح پڑھنا ترک ہی نہ کر دیں، سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے باجماعت نماز تراویح کے لئے مجتمع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبد القاری بیان کرتے ہیں کہ

خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلى الرجل لنفسه و يصلي الرجل فيصلي بصلا ته الرهط، فقال عمر: إنى أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبى بن كعب ثم خرجت معه ليلة أُخرى والناس يصلون بصلوة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه والتى ينامون عنها أفضل من التى يقومون

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۳۔ نسائى، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔ ۳۵۹

یرید آخر اللیل و کان الناس یقومون أوّله۔(۱)

''میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا جائے تو اچھا ہوگا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا۔ پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **یہ کتنی اچھی بدعت ہے** اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔''

باجماعت نمازِ تراویح کا اِہتمام سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اجتہادی کارنامہ تھا۔ آپ نے ''نعم البدعة هذه'' فرما کر یہ واضح کر دیا کہ اگرچہ یہ ایک ''نیا کام'' ہے مگر ہر نیا کام ناجائز اور ممنوع نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے اُمور حسنہ بھی ہوتی ہیں۔ **نعم البدعة** فرمانے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے، یہ محض قیاسی تقسیم نہیں۔ مختصراً یہ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کے باجماعت اہتمام کو ''بدعة'' بھی کہا اور ''نعمة'' یعنی ''حسنة'' بھی کہا۔ وجہ یہی تھی کہ یہ کام اپنی ظاہری حالت اور ہیئت کے حوالے سے تو نیا تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوام کے ساتھ اختیار نہیں

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

فرمایا تھا اس لئے اسے ’’بدعة‘‘ کہا مگر باعثِ خیر اور مبنی بر مصلحت تھا اس لئے اسے ’’نعمة‘‘ یعنی ’’حسنة ‘‘قرار دے دیا۔ **علامہ ابن اثیر جزریؒ** (۶۰۶ھ) نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس مبنی برحکمت فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وإنما عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس عليها و ندبهم إليها، فبهذا سمّاها بدعة، وهي على الحقيقة سنَّة، لقوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عليكم بسنَّتي و سنَّة الخلفاء الراشدين من بعدي(۱) وقوله اقتدوا بالذين من بعدي أبي بكر و عمر(۲) و على هذا التأويل يحمل الحديث الآخر كل محدثة بدعة(۳) إنما يريد ما خالف أصول الشريعة ولم يوافق

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵
۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، ابوب المناقب، باب مناقب عبداللہ بن مسعود، ۵: ۶۷۲، رقم: ۳۸۰۵

(۳) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

←

السُّنَّة.(۱)

''پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس (باجماعت نمازِ تراویح) پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول ''علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی'' اور اس فرمان ''اقتدوا بالّذین من بعدی من أصحابی أبی بکر و عمر'' کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ''کل محدثة بدعة'' کو اُصولِ شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدمِ موافقت پر محمول کیا جائے گا۔''

۴۔ جمعۃ المبارک کی دوسری اَذان جو خطبہ سے پہلے پڑھی جاتی ہے اس کا اِجراء عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں ہوا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اَذانِ ثانی کا یہ عمل دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے لوگوں کو وقتِ صلوٰۃ کے آغاز کی اطلاع دینے کے لئے شروع کیا اور جمعۃ کو اِس اذان سے مختص کر دیا او اِس اذان کو خطیب کے سامنے دینے کی خصوصیت کو بھی باقی رکھا۔ اس سے یہ اِستنباط ہوتا ہے کہ یہ اِجتہادی عمل معناً اَصل ہے۔ اسے محض بدعت کہہ کر ردّ نہیں کیا جائے گا۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

أن التأذین الثانی یوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حین کثر أهل المسجد۔(۲)

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۱) ابن أثیر جزری، النهایة، فی غریب الحدیث والأثر ۱: ۱۰۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳

۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲

۳۔ وادیاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴

۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۳۲۳

’’جمعہ کے دن دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان ﷛ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔‘‘

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اَذان کو بدعتِ حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه عليٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه قال: هو بدعة، ولعله أراد ما أراد أبوه في قيام شهر رمضان۔(۱)

’’اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی ﷛ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر جاری کیا اور پھر حضرت علی ﷛ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور ابن عمر ﷛ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد (عمرِ فاروق ﷛) کی قیام رمضان کے بارے میں تھی۔‘‘ (یعنی جمعہ کی دوسری اَذان بھی **نعم البدعة** ہے۔)

۵۔ معاشرہ چونکہ شریعت سازی کی بنیاد ہے لہٰذا جب معاشرتی احوال میں تبدّل و تغیر ہو گا تو لازمی طور پر اجتہادی بنیادوں پر احکامِ شرعیہ کی شکل وصورت بھی بدلے گی۔ ان نئے احوال کی بنیاد پر نئے احکامِ شرعیہ کو بدعت و ضلالت قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس اُصول کو اس واقعہ سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ اسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے۔ سورہ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا۔ (۲)

’’اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے

---

(۱) ابن رجب حنبلیؒ، جامع العلوم والحکم، ۳: ۲۵۲

(۲) المائدہ، ۵: ۳۸

ہاتھ کاٹ دو۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ جب معاملہ خلیفہء وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ نے اس شخص کے ہاتھ کو کاٹنے سے منع کر دیا۔ **امام ابن أبي شيبہ کوفی** (۲۳۵ھ) اس واقعہ کی تفصیل نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ان رجلا سرق من بيت المال فكتب فيه سعد الى عمر فكتب عمر الى سعد ليس عليه قطع له فيه نصيب۔(۱)

’’ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں لکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد کو لکھا کہ اس پر قطع ید نہیں ہے، کیونکہ بیت المال میں اس کا حصہ بھی ہے۔‘‘

امام مالک (۱۷۹ھ) مؤطا میں **كتاب الحدود، باب ما لا قطع فيه** کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرو الحضرمی اپنے ایک غلام کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا:

إِقْطَعْ يَدَ غُلَامِي هٰذا فَإِنَّهُ سَرَقَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَاذَا سَرَقَ؟ فَقَالَ سَرَقَ مِرْأَةً لِاِمْرَأَتِي ثَمَنُهَا سِتُّونَ دِرْهَمًا فَقَالَ عُمَرُ: أَرْسِلْهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ خَادِمُكُمْ سَرَقَ مَتَاعَكُمْ۔(۲)

’’میرے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیجئے کیونکہ اس نے چوری کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ چرایا کیا ہے؟ کہا کہ میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس

(۱) ابن ابی شیبه، المصنف، ۵:۵۱۸، رقم: ۲۸۵۶۳

(۲) مالك، المؤطا، كتاب الحدود، باب مالا قطع فيه، ۲:۸۳۹، رقم: ۱۵۲۸

کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ تمہارے ہی خادم نے تمہارے مال کی چوری کی ہے۔''

خلاصۂ بحث

ان سارے نظائر و واقعات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اجتہاد اور تجدیدی روش ہی وہ دائمی اصول ہے جو اس دینِ فطرت کی تعلیمات کو زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ابدالاباد تک تحرک اور تسلسل دیتا ہے، اسی اصولِ اجتہاد کے باعث شریعتِ اسلامیہ میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول احکامِ شرعیہ کی دائمی اور متحرک عملیّت اور لایزال مطابقیت برقرار رکھتا ہے جس سے اسلامی نظامِ حیات کی تازگی اور کشش ہمیشہ قائم اور برقرار رہتی ہے۔

❁ ❁ ❁

باب : ۸

اِباحت اور تصورِ بدعت

فصل اول:

اَصلاً تمام اَشیاء مباح ہیں

فصل دوم:

اِباحتِ اَصلی اور مفسّرین کا نقطۂ نظر

فصل سوم:

کسی شئے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے

فصل اول

اَصلاً تمام اَشیاء مباح ہیں

- اِباحتِ اصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ
- اِسلام آسان دین ہے
  - دینِ یُسر پر قرآن سے دلائل
  - دینِ یُسر پر اَحادیثِ نبویہ سے دلائل
- احکامِ شریعت میں سہولت کا بیان
- تصریحِ محرمات کا قرآنی فلسفہ

اِنسانی زندگی میں ہزاروں اَشیاء ایسی ہیں جن کی حلت وحرمت کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہے اس لیے جب تک ان کے عدمِ جواز یا حرمت پر دلیلِ شرعی قائم نہ ہو وہ مباح، جائز اور مشروع ہیں۔ محض عدمِ ثبوتِ ذکر کی بنا پر انہیں حرام نہیں کہا جاسکتا۔ علماء و محدثین کا اِس اُصول پر اِتفاق ہے کہ حضور ﷺ کا کوئی کام کرنا اُس کے جائز ہونے کی دلیل ہے جب کہ کسی فعل کا ترک فرمانا اُس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں تاوقتیکہ اُس کام کی حرمت پر دلیلِ شرعی قائم ہو جائے۔ **علامہ ابنِ حجر عسقلانی** (۸۵۲ھ) فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اِس اُصول کونقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ **الفعل يدل على الجواز وعدم الفعل لايدل على المنع**[(۱)] ’’یعنی کسی کام کا کرنا اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے جبکہ نہ کرنا عدمِ جواز پر دلالت نہیں کرتا‘‘ اسی اُصول کی بنا پر علماءِ اُمت نے شریعتِ اسلامیہ کا معروف قاعدہ اور متفقہ اُصول وضع فرمایا ہے کہ:

الأصل في الاشياء الاباحة۔(۲)

’’اصلاً ہر چیز میں اِباحت (یعنی جائز ہونا) ہے۔‘‘

شریعت کے اِس قاعدے کی رو سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ فی نفسہٖ کوئی کام بھی اَز روئے شرع اس وقت تک ممنوع نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں قرآن و سنت

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۱۵۵

(۲) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶: ۴۵۹

۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴: ۷۷

۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۶۵۶

۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۶۰

کی نص قطعی سے حرمت کا کوئی واضح عنصر ثابت نہ ہو جائے۔

اِباحتِ اَصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ

کسی کام کی حلت و حرمت جاننے کا اُصولی ضابطہ یہ ہے کہ ہم ہر اس کام کو جو عہدِ رسالت ﷺ اور عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہ تھا اور بعد میں کسی ضرورت کے تحت وجود میں آیا، قرآن و سنت پر پیش کریں گے، اگر قرآن و سنت کا اس کے ساتھ کسی اعتبار سے بھی تعارض ثابت ہو جائے تو وہ بلا شبہ ناجائز، حرام اور گمراہی تصور ہوگا لیکن اگر اس کا قرآن و سنت کے کسی بھی حکم کے ساتھ کوئی تضاد یا تعارض واقع نہ ہو تو اسے گمراہی یا حرام تصور کرنا حکمتِ دین کے منافی اور اِسلام کے متعین کردہ نظامِ حلال و حرام سے انحراف برتنے اور حد سے تجاوز کرنے کے مترادف ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے فروعی اور اِختلافی معاملات پر بدعت و شرک کے فتوے صادر کرنے اور اپنی طرف سے بغیر کسی شرعی دلیل کے چیزوں کو حلال و حرام کہنے والے لوگوں کی مذمت میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ○ (۱)

’’اور وہ جھوٹ مت کہا کرو جو تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) فلاح نہیں پائیں گے‘‘

اس قاعدے (ألاصل فی الأشياء الاباحة) کو سمجھانے کے لئے ذیل میں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے واضح ہوجائے گا کہ اشیاء کا اصل مباح ہونا ہے نہ کہ حرام۔

(۱) القرآن، النحل، ۱۶: ۱۱۶

پہلی مثال

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں میرا مقروض ہے تو اب دعویٰ کرنے والا خود ہی گواہی پیش کرے گا اور ثابت کرے گا کہ فلاں میرا مقروض ہے۔ مقروض سے یہ تقاضا نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے مقروض نہ ہونے کا ثبوت پیش کرے کیونکہ اس طرح کا دعویٰ خلافِ اصل ہو گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اصلاً کوئی بھی ماں کے پیٹ سے مقروض پیدا نہیں ہوتا۔ **اِمام اَبوبکر بیہقیؒ** (۴۵۸ھ) السنن الکبریٰ میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

البيّنة على المدعي واليمين على من أنكر۔(۱)

''گواہی مدعی پر اور قسم اِنکار کرنے والے (مدعیٰ علیہ) پر ہے۔''

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) اِسی روایت کو ابواب الاحکام میں روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

البيّنة على المدعي واليمين على المدّعى عليه۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السننِ الکبریٰ، ۸: ۱۲۳

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الاحكام، باب البينة على المدعي، ۲: ۷۷۸

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشہادات، باب البيّنة على المدّعي، ۲: ۹۳۱

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱

۵۔ دار قطنی، سنن دار قطنی، ۴: ۱۵۷

۶۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۵: ۴۴۱

۷۔ ابن رجب حنبلی، جامع العوم والحکم، ۱: ۷

۸۔ سیوطی، شرح السنن ابن ماجه، ۱: ۱۵۸

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء أنّ البينة على المدعي، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الاحكام، باب البينة على المدعي، ۲: ۷۷۸

←

''دلیل لانا مدعی پر ہے اور قسم کھانا مدّعٰی علیہ پر ہے۔''

دوسری مثال

اگر آپ نے کوئی نیک عمل کیا، کسی دوسرے شخص نے اِس پر اِعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ میلاد شریف منانا، انگوٹھے چومنا، مزارات کی حاضری اور اِیصالِ ثواب وغیرہ یہ سب اَعمال بدعتِ سیئہ اور حرام ہیں تو اب آپ کو ان اعمال کے حلال اور جائز ہونے پر دلائل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ اس معترض سے کہیں کہ معروف حدیث البیّنة علی المدعی(۱) کے تحت وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اس عمل کے حرام اور ناجائز ہونے پر گواہی لائے، کیونکہ اصلاً کوئی چیز حرام نہیں بلکہ مباح ہوتی ہے جب تک کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کو حرام قرار نہ دے دیں۔ مزید یہ کہ متعدد آیات و احادیث مثلاً ''وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَا وَرَآءَ ذَالِکُمۡ(۲) اور ''قَد فَصَّلَ لَکُمۡ مَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمۡ(۳)

------- ۳۔ دار قطنی، سنن دار قطنی، ۴:۱۵۷

۴۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۵:۱۴۴

۵۔ بیهقی، سننِ کبریٰ، ۸: ۱۲۳

۶۔ ابن عبد البر، التمهید، ۲۴:۶ ۲۹

۷۔ ابو عوانة الاسفرائینی، مسند ابو عوانة، ۴:۵۳

۸۔ سیوطی، شرح السنن ابن ماجه، ۱:۱۵۸

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء أنّ البینة علی المدعی، ۳:۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاحکام، باب البینة علی المدعی، ۲:۷۷۸

۳۔ دار قطنی، سنن دار قطنی، ۴:۱۵۷

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

(۳) القرآن، الانعام، ۶: ۱۱۹

اور ''وما سكت عنه فهو مما عفا عنه[۱]'' سے ''الاصل فی الاشياء الاباحة''[۲] کی واضح طور پر تائید ہوتی ہے، مذکورہ شخص نے چونکہ اس چیز کے ناجائز اور مکروہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ خلافِ اصل ہے لہٰذا اسے دلیل لانا پڑے گی کہ یہ چیز حرام کس بنیاد پر ہے؟ اگر وہ کہے کہ اس کا کہیں قرآن و حدیث میں ذکر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس عمل کا کتاب وسنت میں ذکر نہ ہو وہ حلال اور مباح ہوتا ہے یعنی جن اعمال کی حلت و حرمت کے بارے میں کتاب و سنت خاموش ہوں وہ حلال اور مباح ہوتے ہیں اور عدمِ ذکر میں بھی اللہ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں بھی اس حکمت خداوندی کو وجہِ نزاع نہیں بنانا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ أَشْيَآءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللهُ عَنْهَا وَاللهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ○[۳]

''اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۲۲۰، کتاب اللباس، **باب فی لبس الفراء**، رقم: ۱۷۲۶
۲۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۱۱۷، کتاب الاطعمة، **باب أكل الجبن و السمن**، رقم: ۳۳۶۷
۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴
۴۔ حاکم، المستدرك، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵
۵۔ بیهقی، السنن الكبرىٰ، ۱۰: ۱۲
۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

(۲) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶: ۴۵۹
۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴: ۷۷
۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۶۵۶
۴۔ سیوطی، الاشباه والنظائر، ۱: ۶۰

(۳) القرآن، المائدة، ۵: ۱۰۱

خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بُری لگیں) اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کروگے جبکہ قرآن نازل کیا جارہا ہے تو وہ تم پر (نزول حکم کے ذریعے) ظاہر (یعنی متعین) کر دی جائیں گی (جس سے تمہاری صوابدید ختم ہوجائے گی اور تم ایک ہی حکم کے پابند ہوجاؤ گے) اللہ نے ان (باتوں اورسوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔‘‘

مذکورہ آیت مقدسہ سے واضح ہورہا ہے کہ اگر کسی چیز کی حلت و حرمت کے بارے میں قرآن خاموش ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جائز اور حلال ہے۔ اب کسی بھی مسلمان کو اس کی حلت و حرمت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ وہ اپنی کٹ حجتی سے اپنا دائرہ عمل خود اسی طرح تنگ کرتا چلا جائے گا جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے سوال پر سوال کر کے کر لیا تھا[1]۔ اگر وہ اللہ کے پہلے حکم پر کسی بھی عمر یا رنگ کی گائے ذبح کرنے کے لیے آتے اور بے جا سوالات نہ کرتے تو ہر قسم کی گائے ذبح کرنے کی اجازت تھی مگر وہ سوالات کرتے گئے اور ان سوالات کی وجہ سے جو حکم ظاہر ہوتا گیا اس سے ان کا دائرہ عمل تنگ ہوتا گیا حتیٰ کہ بالآخر ایک قسم کی گائے پر جا کر رک گئے کہ بس اسی کو ذبح کرنے کا حکم ہے۔ اس طرح انہوں نے بے مقصد سوالات کی وجہ سے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرلیا اور اپنا دائرہ عمل تنگ کرلیا۔

اِسلام آسان دین ہے

دینِ اِسلام ایک ایسا آسان اور سہل دین ہے جس کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوکر انسان قوانینِ فطرت کے تحت پرسکون زندگی بسر کرسکتا ہے۔ اس کے وسیع دامن میں ایسی ناروا تنگی اور تکالیف نہیں کہ اس کو اپنانا مشکل ہو۔ ذیل میں ہم اِسلام کے دینِ یُسر ہونے پر چند آیات اور اَحادیث پیش کرتے ہیں۔

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ٦٧۔ ۷۳

دینِ یُسر پر قرآن سے دلائل

قرآنِ مجید میں اسلام کے دینِ یسر ہونے پر متعدد آیات ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔(۱)

''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔''

۲۔ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔(۲)

''اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

۳۔ یُرِیْدُ اللهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔(۳)

''اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔''

۴۔ یُرِیْدُ اللهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔(۴)

''اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے، اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

۵۔ لَا یُکَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔(۵)

''اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔''

۶۔ فَاِنَّمَا یَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ۔(۶)

''بس ہم نے آپ ہی کی زبان میں اس (قرآن) کو آسان کر دیا ہے تاکہ وہ

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۵۶
(۲) القرآن، الحج، ۲۲: ۷۸
(۳) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۸۵
(۴) القرآن، النساء، ۴: ۲۸
(۵) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۸۶
(۶) القرآن، الدخان، ۴۴: ۵۸

نصیحت حاصل کریں o۔‘‘

۷۔ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ۔(۱)

’’اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارِگراں اور طوق (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔‘‘

ان آیاتِ مقدسہ سے واضح ہوتا ہے کہ بنی نوعِ اِنسان کو جو اسلام کی صورت میں دین عطا ہوا ہے وہ اُنہیں تمام پریشانیوں اور مشکلات سے نجات دیتا ہے، کیونکہ ہمارے آقا و مولا نبی آخرالزماں ﷺ مخلوقِ خدا کو تکلیفوں، دشواریوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے نہیں بلکہ اِنہیں ناروا تنگیوں اور تکلیفوں سے نجات دینے آئے ہیں۔

یہ تمام آیات صراحت کے ساتھ لوگوں کے لئے شرعی اَحکام کی تخفیف اور آسانی پر دلالت کرتی ہیں۔ **اِمام شاطبیؒ** (۷۹۰ھ) اس حوالے سے لکھتے ہیں:

ان الأدلة علی رفع الحرج فی هذه الامة بلغت مبلغ القطع۔(۲)

’’اس اُمت سے رفعِ حرج کے دلائل قطعیت تک پہنچ چکے ہیں۔‘‘

دینِ یُسر پر اَحادیثِ نبویہ سے دلائل

آیاتِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ اَحادیثِ مقدسہ میں بھی ’’دینِ یُسر‘‘ کا یہ مضمون بڑی صراحت سے بیان ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام کو مبعوث ہی نہایت آسان اور سہل دین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے چند اَحادیثِ مبارکہ درج ذیل ہیں۔

(۱) القرآن، الاعراف، ۷:۱۵۷

(۲) شاطبی، الموافقات، ۱:۳۴۰

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) مسند احمد میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

بعثت بالحنیفیة السمحة۔(۱)

''میں ایسے دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو آسان ہے۔''

۲۔ حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

إنما بعثت بالحنیفیة السمحة و لم أُبعث بالرهبانیة البدعة۔(۲)

''بیشک میں ایسے دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو نہایت آسان ہے اور میں خودساختہ رہبانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔''

۳۔ علامہ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) اس حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

عن جابر قال: قال النبی بعثت بالحنیفیة السّمحة أو السّهلة و

---

(۱) ۱۔ احمد، المسند، ۵:۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲:۲۶۰
۴۔ رویانی، المسند، ۲:۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳:۲۰۳
۶۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲:۳۲۸

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴:۳۰۲
۳۔ احمد، المسند، ۵:۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۴۔ رویانی، المسند، ۲:۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳:۲۰۳
۶۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲:۳۲۸

من خالف سُنَّتی فلیس منّی۔(۱)

''میں نہایت آسان دین یا سہولت والے دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور جس نے میری سنت کی مخالفت کی وہ مجھ سے نہیں۔''

۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنیفیة السمحة من خالف فقد کفر۔(۲)

''میں ایسے دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو آسان ہے جس نے اس کی مخالفت کی پس اس نے کفر (یعنی میری سنت سے انکار) کیا۔''

۵۔ ابن حیان انصاری (۳۶۹ھ) نے **طبقات المحدّثین بأصبهان** میں درج ذیل حدیث سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۷: ۲۰۹، رقم: ۳۶۷۸
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۴۔ احمد، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۶۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۷۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸
۸۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۳۴۰، رقم: ۹۱۴

(۲) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، ۲: ۳۰
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۴۔ احمد، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۶۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۷۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸

ہوئے اِرشاد فرمایا:

خير دينكم أيسره۔(۱)

''تمہارے دین میں بہترین پہلو اس کا آسانی اور سہولت والا عمل ہے۔''

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کا اپنی اُمت کے لئے ''یُسر'' کا انتخاب کرنے کے حوالے سے فرماتی ہیں:

ما خير رسول الله ﷺ بين أمرين قطّ اِلا اَخذَ أَيسرهما مالم يكن إثما۔(۲)

''رسول اکرم ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا گیا تو

(۱) ۱۔ابن حيان، طبقات المحدثين باصبهان، ۳: ۲۱۴
۲۔احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۷۹
۳۔طيالسی، المسند، ۱: ۱۸۳، رقم: ۱۲۹۶
۴۔طبرانی، المعجم الكبير، ۱۸: ۲۳۰، رقم: ۵۷۳
۵۔قضاعی، مسند الشهاب، ۲: ۲۱۹، رقم: ۱۲۲۴
۶۔ہيثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۳۰۹
۷۔ابن حجرعسقلانی، الإصابة، ۳: ۱۳۳

(۲) ۱۔بخاری، الصحيح، ۵:۲۲۶۹، كتاب الادب، باب قول النبی ﷺ يسروا ولا تعسروا، رقم: ۵۷۷۵
۲۔ مسلم، الصحيح، ۴:۱۸۱۳، كتاب الفضائل، باب مباعدته ﷺ للأثام، رقم: ۲۳۲۷
۳۔نسائی، سنن الكبریٰ، ۵: ۳۷۰، رقم: ۹۱۶۳
۴۔احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۴، رقم: ۲۴۸۷۴
۵۔بيهقی، السنن الكبریٰ، ۷: ۴۵، رقم: ۱۳۰۸۱
۶۔ابو يعلی، المسند، ۷: ۴۳۱، رقم: ۴۴۵۲
۷۔طبرانی، المعجم الاوسط، ۷: ۲۵۶، رقم: ۷۴۳۴

آپ ﷺ نے ان میں سے آسان کو اختیار فرمایا جبکہ اِس میں گناہ نہ ہو۔‘‘

۷۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

إن اللّٰہ یحبّ أن توتی رُخصة کما یحبّ أن توتی عزائمه۔(۱)

’’بیشک اللہ تعالی رخصت دینا پسند فرماتا ہے جیسا کہ وہ عزیمت دینا پسند فرماتا ہے۔‘‘

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ عزوجل یحب أن یوتی رخصة کما یکره أن توتی معصیة۔(۲)

’’بے شک اللہ تعالیٰ رخصت دینا پسند فرماتا ہے جیسا کہ گناہ کو ناپسند فرماتا ہے۔‘‘

۹۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

إن الدّین یسر ولن یشاد الدین أحد اِلّاغلبه۔(۳)

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۵:۳۱۷
۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۸:۸۲، رقم: ۸۰۳۲
۳۔ ابن عبد البر، التمهید، ۲۴:۶۷
۴۔ ابویعلی، المعجم، ۱:۱۴۲، رقم: ۱۵۴

(۲) ۱۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۲: ۷۳، رقم: ۹۵۰
۲۔ رویانی، مسند الرویانی، ۲:۴۲۱
۳۔ ابن جوزی، التحقیق فی أحادیث الخلاف، ۱:۴۹۵

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱:۲۳، کتاب الایمان، باب الدّین یسر، رقم: ۳۹
۲۔ نسائی، السنن، ۸: ۱۲۲، کتاب الایمان وشرائعه، باب الدّین یسر، رقم: ۵۰۳۴
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۷، رقم: ۱۱۷۶۵

←

’’بیشک یہ دین بہت آسان ہے اور جو اسے مشکل بنائے گا تو یہ دین اس پر غالب آ جائے گا۔‘‘

۱۰۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ارشاد فرمایا:

يسّرا و لا تعسّرا و بشّرا ولا تنفّرا و تطاوعا ولا تختلفا۔(۱)

’’تم دونوں آسانی پیدا کرنا تنگی نہ کرنا، خوشخبری سنانا متنفر نہ کرنا، باہم خوش دلی سے کام کرنا اور اختلاف میں نہ پڑنا۔‘‘

۱۱۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو دینِ یُسر کی تعلیم دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۶۳، رقم: ۳۵۱

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۸، رقم: ۴۵۱۸

۶۔ قضاعی، المسند الشہاب، ۲: ۱۰۴، رقم: ۹۷۶

۷۔ ابن عبدالبر، التمہید، ۵: ۱۲۱

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۱۰۴، کتاب الجهاد والسیر، باب مایکره من التنازع، رقم: ۲۸۷۳

۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۵۹، کتاب الجهاد والسیر، باب فی الأمر بالتیسیر وترک التنفیر، رقم: ۱۷۳۳

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۱۷

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۸۶

۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۳۱۸

۶۔ عبدالرزاق، المصنف، ۳: ۳۵۶

۷۔ بزار، المسند، ۸: ۱۳۸

۸۔ ابو عوانہ، المسند، ۴: ۲۱۵

إنّما بعثتم ميسّرين ولم تبعثوا معسّرين۔(۱)

’’تمہیں آسانیاں پیدا کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے نہ کہ تنگیاں پیدا کرنے والے۔‘‘

۱۲۔ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

يسّروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفّروا۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱:۸۹، کتاب الصلاة، باب حب الماء علی البول فی المسجد، رقم:۲۱۷

۲۔ ترمذی، السنن، ۱:۲۷۵، ابواب الطهارة، باب ماجاء فی البول بعيب الأرض رقم:۱۴۷

۳۔ ابوداؤد، السنن، ۱:۱۰۳، کتاب الطهارة، باب الأرض يصيبها البول، رقم: ۳۷۶

۴۔ نسائی، السنن، ۱:۴۸، کتاب الطهارة، باب ترک التوقيت فی الماء، رقم: ۵۶

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۹، رقم: ۷۲۵۴

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۴: ۲۴۴، رقم: ۱۳۹۹

۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱: ۴۲۳، رقم: ۱۶۵۸

۸۔ ابو یعلی، المسند، ۱۰: ۲۷۸، رقم: ۵۸۷۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱:۳۸، کتاب العلم، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يتخولهم بالموعظة، رقم: ۶۹

۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۵۸، کتاب الجهاد والسير، باب فی الأمر بالتيسير و ترک التنفير، رقم: ۱۷۳۲

۳۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۶۰، کتاب الأدب، باب فی کراهية المراء، رقم:۴۸۳۵

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۹۹

←

’’آسانیاں پیدا کرو، تنگیاں پیدا نہ کرو، خوشخبریاں سناؤ، نفرتیں مت پھیلاؤ۔‘‘

مذکورہ تمام روایات کے مضمون سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دینِ اِسلام ہی وہ واحد دین ہے جس میں تمام سہولتیں اور آسانیاں سمو دی گئی ہیں۔ یہ ایک ایسا نظامِ حیات ہے جس پر چلنے والے اِکراہ وتکالیف سے محفوظ و مامون ہیں۔

احکامِ شریعت میں سہولت کا بیان

ذیل میں چند ایسے اُمور کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر بعض حالات میں شریعت میں رخصت دی گئی ہیں:

۱۔ نماز پڑھنا ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن سفر کی حالت میں مشکلات کی وجہ سے سہولت کی خاطر نماز کو قصر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے[1]۔ اسی طرح عرفات اور مزدلفہ میں حاجیوں کی سہولت اور آسانی کی خاطر ظہرین اور مغربین کو جمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ ماہِ رمضان میں حالتِ سفر اور مرض کی وجہ سے روزے قضاء کرنے کی سہولت دی گئی ہے۔(۲)

۳۔ حالت اضطرار میں جان بچانے کیلئے عارضی طور پر حرام چیزوں کو کھانے کی رخصت دی گئی ہے۔(۳)

------ ۵۔ ابوعوانة، المسند، ۴: ۲۱۵، رقم: ۶۵۵۸

۶۔ ابویعلی، المسند، ۱۳: ۳۰۶، رقم: ۷۳۱۹

۷۔ سیوطی، الجامع الصغیر، ۱: ۱۰۵، رقم: ۱۴۳

۸۔ مناوی، فیض القدیر، ۵: ۲۱۱

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۰

(۲) البقرہ، ۲: ۱۸۴

(۳) البقرہ، ۲: ۱۷۳

شریعت نے یہ سہولتیں صرف مکلّفین کی آسانی کے لئے عطا کی ہیں اور انسانوں سے حتی الامکان ہر قسم کے حرج اور تنگی کو دور کیا ہے۔ دین کا آسان اور قابل عمل ہونا اِس اَمر کا متقاضی ہے کہ قرآن و سنت میں ان چیزوں کی تفصیل دی جائے جو نسبتاً کم اور محدود ہوں تا کہ انسان بآسانی ان کا اِحاطہ کر سکے۔ قرآن کا اپنا اُسلوبِ بیان ہے کہ وہ بالعموم بنیادی اور اُصولی رہنمائی دیتا ہے اور تفصیلات کم بیان کرتا ہے۔ کیونکہ اگر قرآن ہر شئے کی تفصیل بیان کر دیتا تو لوگ مشکل میں پڑ جاتے یہی وجہ ہے کہ جب ہم حلال و حرام کی تفصیل جاننے کے لئے قرآنی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن بالعموم حلال کی بجائے حرام اشیاء کی تفصیلات بیان کرتا ہے کیونکہ حرام حلال کے مقابلے میں کم اور محدود ہیں۔

تصریحِ محرمات کا قرآنی فلسفہ

ربّ کریم اپنے بندوں کیلئے ہر لمحہ آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے اسی لئے اس نے صرف حرام اور ممنوع اشیاء اور اَفعال کی فہرست بیان فرمائی ہے جو کہ محدود ہیں اور باقی سب کچھ جائز اور مباح کے طور پر ذکر کئے بغیر چھوڑ دیا ہے۔ حرام کی فہرست بیان کر کے بقیہ کا عدمِ ذکر قرآنی فلسفہ کی رو سے اُن کے جواز، اِباحت اور حلّت کی دلیل ہے (وما سکت عنه فهو مما عفا عنه)۔(۱)

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۲۲۰، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، رقم: ۱۷۲۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۱۱۷، کتاب الاطعمة، باب أکل الجبن و السمن، رقم: ۳۳۶۷

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴

۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵

۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲

۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

ذیل میں قرآن کے حلال و حرام اَحکام کی تفصیل بیان کرنے کے حوالے سے چند آیات بطور نمونہ بیان کی جاتی ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی قرآن نے بالعموم ناجائز اور حرام اَشیاء کا تذکرہ کر کے باقی ہزاروں اَشیاء کو جائز اور حلال کے طور پر چھوڑ دیا ہے جس سے یہ اُصول وضع ہوتا ہے کہ عدمِ ذکر حرمت کی نہیں بلکہ اِباحت اور جواز کی دلیل ہے۔

۱۔ یہ مسئلہ کہ کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن سے نہیں، اس کی تفصیل سورہ نساء میں یوں بیان کی گئی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○ (۱)

’’تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سب) حرام کر دی گئی ہیں اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں بھی جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے صحبت کر چکے ہو (حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۳

قرآن نے نکاح کے لئے جو عورتیں حرام تھیں ان کی تفصیل بیان کر دی اب سوال یہ پیدا ہوا کہ بقیہ رشتے جن کا ذکر نہیں ہوا ان کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔(۱)

''اور ان کے سوا (جن کا ذکر نہیں ہوا وہ سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئیں ہیں۔''

۲۔ اسی طرح سورہ بقرہ میں حرام جانوروں کی فہرست دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO (۲)

''اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔''

۳۔ اِسی مضمون کو سورۂ مائدہ میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ۔(۳)

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

(۲) القرآن، البقرة، ۲: ۱۷۳

(۳) القرآن، المائدة، ۵: ۳

’’تم پر مردار (یعنی بغیر شرعی ذبح کے مرنے والا جانور) حرام کر دیا گیا ہے اور (بہایا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھٹ کر مرا ہوا (جانور) اور (دھار دار آلے کے بغیر کسی چیز کی) ضرب سے مرا ہو اور اوپر سے گر کر مرا ہوا اور (کسی جانور کے) سینگ مارنے سے مرا ہوا اور وہ (جانور) جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو سوائے اس کے جسے (مرنے سے پہلے) تم نے ذبح کر لیا ہو اور (وہ جانور بھی حرام ہے) جو باطل معبودوں کے تھانوں (یعنی بتوں کے لئے مخصوص کی گئی قربان گاہوں) پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم پانسے (یعنی فال کے تیروں) کے ذریعے قسمت کا حال پوچھو، (یا حصے تقسیم کرو) یہ سب کچھ سخت گناہ ہے۔‘‘

متذکرہ بالا آیاتِ مقدسہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے معروف قرآنی اُسلوب کے مطابق صرف حرام کی فہرست بیان فرما دی ہے اور اس کے علاوہ باقی جانوروں کی جو حلال ہیں تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا کہ شریعتِ اِسلامیہ جائز اشیاء کی فہرست کو تفصیل سے بیان کرنے لگتی تو پھر صرف چند مخصوص اشیاء ہی حلت کے لئے باقی بچتیں، ایسی صورت میں یقیناً لوگوں کو بڑی دشواری اور ناقابلِ تصور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور لوگوں کے لیے شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنا یقیناً دشوار ہو جاتا لہٰذا اس پر جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ہمارے لئے نہایت آسان دین دے کر مبعوث فرمایا ہے (بعثت بالحنيفية السمحة)۔(۱)

❁ ❁ ❁

(۱) ۱۔ احمد، المسند، ۵:۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲:۲۶۰
۴۔ رویانی، المسند، ۲:۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۶۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲:۳۲۸

فصل دوم:

اِباحتِ اَصلی اور مفسرین کا نقطۂ نظر

۱۔ امام ابو بکر جصاص الحنفیؒ (۳۷۰ ھ)

۲۔ امام ابو عبد اللہ مالکی القرطبیؒ (۳۰۸ ھ)

۳۔ امام ابو القاسم الزمخشریؒ (۵۳۸ ھ)

۴۔ امام عبد اللہ بن محمود النسفیؒ (۷۱۰ ھ)

قابلِ افسوس پہلو

فلسفہ حلال و حرام کی روشنی میں تصور بدعت

ذیل میں ہم اپنے مؤقف یعنی الأصل فی الاشیاء الاباحة[1] کی تائید میں چند معروف مفسرین کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ روزمرہ کی وہ ہزاروں اَشیاء جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے وہ مباح اور جائز ہیں اور جب تک ان کے عدمِ جواز اور حرمت پر کوئی شرعی نص قائم نہ ہو ہم محض عدمِ ذکر کی بنا پر انہیں حرام نہیں کہہ سکتے۔

۱۔ اِمام ابوبکر احمد بن علی جصاص الحنفیؒ (۳۷۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی جصاص حنفیؒ قرآن کی مختلف آیاتِ مقدسہ سے اِباحتِ اَصلی کی تائید میں اِستدلال کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

قوله ﴿هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾[2] و قوله ﴿وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾[3] و قوله ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾[4] یحتج بجمیع ذلک فی أن الأشیاء علی الإباحة مما لا یحظره العقل

(۱) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶:۴۵۹
۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴:۷۷
۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹:۶۵۶
۴۔ سیوطی، الاشباه والنظائر، ۱:۶۰

(۲) القرآن، البقره، ۲:۲۹

(۳) القرآن، الجاثیه، ۴۵:۱۳

(۴) القرآن، الاعراف، ۷:۳۲

فلا يحرم منه شئى الا ما قام دليله۔(۱)

''اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ''وہ وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا'' اور اس کا فرمان کہ ''اس نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ساری اَشیاء کو مسخر کردیا۔'' ارشادِ باری تعالیٰ کہ ''(اے محبوب ﷺ!) فرما دیجئے اللہ کی اس زینت (و آرائش) کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہے اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے) ان تمام آیات سے یہ دلیل اَخذ کی جاتی ہے کہ تمام اشیاء اصلاً اباحت پر ہیں جو کہ خلافِ عقل نہ ہوں تو ان میں سے کوئی شے اس وقت تک حرام نہیں ہوسکتی جب تک حرمت کی دلیل قائم نہ ہو۔''

۲۔ امام محمود بن عمر الزمخشریؒ (۵۳۸ھ)

امام جار اللہ زمخشریؒ آیت ''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا''(۲) کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

﴿لَكُمْ﴾ لأجلكم ولانتفاعكم به فى دنياكم و دينكم۔﴿خَلَقَ لَكُمْ﴾ على أن الأشياء التى يصح أن ينتفع بها ولم تجر مجرى المحظورات فى العقل خلقت فى الأصل مباحة مطلقا لكل أحد أن يتناولها و يستنفع بها۔(۳)

''لکم'' یعنی تمہاری خاطر اور دین و دنیا میں تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ''خلق لکم'' اس اُصول پر کہ جن چیزوں سے فائدہ اٹھانا درست ہے اور عقلی ممنوعات میں شامل نہیں۔ اصل میں وہ مطلقاً مباح پیدا کی گئی ہیں۔ ہر ایک

(۱) جصاص، احکام القرآن، ۱: ۲۸

(۲) البقره، ۲: ۲۹

(۳) زمخشری، الکشاف، ۱:۲ ۱ ۱

ان کو کھانے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کا حق دار ہے۔‘‘

۳۔ اِمام محمد بن احمد مالکی القرطبیؒ (۶۷۱ھ)

امام قرطبیؒ آیت ’’وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ‘‘(۱) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

إستدل من قال ان اصل الاشياء التی ینتفع بها الاباحة بهذه الاية و ما كان مثلها كقوله ﴿وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ الْاٰیَة﴾ حتى يقوم الدليل على الحظر و عضدوا هذا بأن قالوا أن المأكل الشهية خلقت مع امكان ألا تخلق فلم تخلق عبثا فلا بدلها من منفعة و تلک المنفعة لا یصح رجوعها إلى الله تعالى لإستغنائه بذاته فهی راجعة إلينا و منفعتنا أما فی نيل لذتها أو فی إجتنابها لنختبر بذالک أو فی إعتبارنا بها و لا یحصل شئی فی تلک الأمور إلّا بذوقها فلزم أن تكون مباحة۔(۲)

’’جن لوگوں نے کہا مفید چیزوں میں اَصل اباحت ہے اس اور اس جیسی دوسری آیتوں سے دلیل پکڑی ہے مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ﴾ اللہ نے اپنی طرف سے تمہارے تابع فرمان کر دیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، جب تک منع پر دلیل قائم نہ ہو جائے اور اس کی تائید اس طرح کی کہ پسندیدہ کھانے پیدا کئے گئے حالانکہ ان کو نہ پیدا کرنا بھی ممکن تھا لہٰذا ان کو فضول پیدا نہیں کیا گیا پس ان کا مفید ہونا ضروری ہے اور یہ تو درست نہیں کہ اس افادیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے کہ وہ ذات پاک اس سے مستغنی ہے سو یہ افادیت ہماری اور

(۱) الجاثیة، ۴۵: ۱۳

(۲) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱: ۲۵۱

ہماری منفعت کی طرف رجوع کرے گی کہ وہ یا تو لذت حاصل کرنے کے لئے ہے یا ان سے پرہیز کرنے کے لئے تاکہ اس سے ہماری جانچ ہو یا ہم اس سے عبرت حاصل کریں (یا ان پر قیاس کریں) اور ان میں سے ایک مقصد بھی چکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا سو لازم ہے کہ اَشیاء اصل میں مباح ہوں۔‘‘

۴۔ اِمام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفیؒ (۷۱۰ھ)

اِمام عبداللہ بن محمود احمد النسفیؒ آیت ’’ھُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا،‘‘ (۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

و قد إستدل الکرخی و ابوبکر الرازی والمعتزلة بقوله ﴿خَلَقَ لَکُمۡ﴾ علی أن الاشیاء التی یصح ان ینتفع بھا خلقت مباحة فی الأصل جمیعا۔(۲)

’’اور اس آیت مبارکہ ’’﴿خَلَقَ لَکُمۡ﴾‘‘ سے امام کرخیؒ امام ابوبکر رازیؒ اور معتزلہ نے اِستدلال کیا ہے کہ تمام نفع بخش اَشیاء اَصلاً اِباحت پر پیدا کی گئی ہیں۔‘‘

قابلِ افسوس پہلو

بڑے تعجب کی بات ہے کہ دین دینے والا خدائے بزرگ و برتر اور دین لے کر آنے والے آقائے نامدار ﷺ تو یہ فرما رہے ہوں کہ إن الدین یسر (۳) اِسلام بہت

(۱) البقرہ، ۲: ۲۹

(۲) نسفی، مدارك التنزیل، ۱: ۳۹

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱:۲۳، کتاب الایمان، باب الدّین یسر، رقم: ۳۹
۲۔ نسائی، السنن، ۸: ۱۲۲، کتاب الایمان وشرائعه، باب الدّین یسر، رقم: ۵۰۳۴
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۷، رقم: ۱۱۷۶۵
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۶۳، رقم: ۳۵۱
۵۔ بیھقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۸، رقم: ۴۵۱۸
۶۔ قضاعی، المسند الشھاب، ۲: ۱۰۴، رقم: ۹۷۶

آسان اور سہل دین ہے اور خود دین بھی یہ پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ "لا اکراہ فی الدین"[۱] کہ "دین میں کوئی تنگی یا دشواری نہیں" یعنی دین خود بھی اپنے آپ کو آسان بتائے لیکن دین کی پیروی کرنے والے اور اس کو آگے پہنچانے والے اس کی آسانیوں کو ختم کر کے اسے اتنا مشکل بنا دیں کہ دین نا قابلِ عمل محسوس ہونے لگے تو ایسے میں دین کی طرف کون راغب ہو گا؟

وہ ذات خداوندی تو ہمارے لئے قدم قدم پر آسانیاں پیدا کرنا چاہتی ہے اسی لئے اس نے چند ناجائز اشیاء کی فہرست عطا کر دی اور علاوہ ازیں سب کچھ جائز اور حلال قرار دیا۔ یہ سب کچھ دینِ اسلام کی آسانی کی بیّن شہادت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس کے برعکس اگر یوں ہوتا کہ شریعتِ اسلامیہ جائز اشیاء کی فہرست گنوا دیتی اور حکم حلّت میں چند اَشیاء مخصوص کر دیتی تو یقیناً متبعینِ شریعتِ اسلامیہ کو بہت بڑی دشواری اور نا قابلِ تصور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا جس کے نتیجے میں زندگی بسر کرنا یقیناً ایک مسئلہ بن جاتا۔ اِس پر اللہ ﷻ کا جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے کہ اُس نے ہمارے لئے حضور ﷺ کو نہایت آسان دین دے کر بھیجا اور اُمت کی سہولت کی خاطر ایک شاندار اُصول وضع فرما دیا کہ جس چیز سے ہم تمہیں منع کر دیں اس سے رک جاؤ کیونکہ وہ حرام ہے اور جس چیز کے متعلق خدا اور اس کا رسول ﷺ خاموش رہیں وہ قیامت تک تمہارے لئے جائز اور حلال ہے۔ **اِمام ترمذیؒ** (۲۷۹ھ) جامع ترمذی، کتاب اللباس میں روایت کرتے ہیں جب حضور ﷺ سے گھی، پنیر اور پوستین کے بارے میں اِستفسار کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحلال ما أحل الله فی کتابه و الحرام ما حرم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه۔ (۲)

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۵۶

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۲۲۰، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، رقم: ۱۷۲۶

←

''وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اور وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔''

اِس حدیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اَشیاء جن کی حلت حرمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ خاموش ہیں ان کی وضاحت طلب نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ بنی اسرائیل کی طرح تمہارا کثرت سے سوال کرنا تمہارے لئے دشواریاں پیدا کردے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر تم ہر چیز پر خدا اور اس کے رسول ﷺ سے سوال کرو گے کہ فلاں جائز ہے یا ناجائز؟ تو اگر جواب میں یہ فرما دیا جائے کہ یہ ناجائز ہے تو تم تنگی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

اس اہم بات کو اس واقعہ سے سمجھیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حج کے احکامات نازل کرتے ہوئے فرمایا وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا(۱) ''اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔'' اس پر ایک صحابی نے عرض کیا: **أفی کل عام یا رسول اللہ؟** ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟'' حضور ﷺ نے چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا اور خاموش

------ **۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۱۱۷، کتاب الاطعمۃ، باب أکل الجبن و السمن، رقم: ۳۳۶۷**

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴

۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲

۶۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

۷۔ ابراہیم حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶

۸۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۲: ۲۲۱

۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۲۰۶

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۹۷

رہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا ''أفی کل عام یا رسول اللہ'' حضور ﷺ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری مرتبہ بھی جب یہی سوال دہرایا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

لو قلت نعم: لوجبت ولما إستطعتم ثم قال ذرونی ما ترکتکم۔(۱)

''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تو حج ہر سال فرض ہوجاتا اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے جن چیزوں کا بیان چھوڑ دیا کروں تم ان کا سوال مت کیا کرو۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۵۵ھ) سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کثرت سے سوالات کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

إن أعظم المسلمین فی المسلمین جرما من سأل عن شیئ لم یحرم علی المسلمین فحرم من أجل مسألته۔(۲)

''بے شک مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس مسلمان کا ہے جو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جو کہ مسلمانوں پر حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۹۷۵، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر، رقم: ۱۳۳۷
۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۱۱۰، کتاب مناسك الحج، باب وجوب الحج
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۰۸، رقم: ۱۰۶۱۵
۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ ۴: ۳۲۵، رقم: ۸۳۹۸
۵۔ اسحاق بن راھویة، المسند، ۱: ۱۳۴، رقم: ۶۰
۶۔ مروزی، السنة، ۱: ۴۰، رقم: ۱۲۴
۷۔ ابن حجر عسقلانی، تلخیص الحبیر، ۲: ۲۲۰
۸۔ اصبھانی، المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم، ۴: ۱۱، رقم: ۳۱۰۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۸۳۱، کتاب الفضائل، باب توقیره وترك إکثار سؤاله، رقم: ۲۳۵۸
۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۵۸، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب مایکره من کثره، رقم: ۶۸۵۹

←

وجہ سے حرام کر دی گئی۔‘‘

اسی طرح یہ آیت مبارکہ بھی دین کا مزاج اور شریعت مصطفوی ﷺ کا بنیادی اُصول سمجھنے میں مدد دیتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔(۱)

’’اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔‘‘

یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی طاقت سے بڑھ کر اُسے تکلیف نہیں دیتا تو ہم کیوں تنگی اور دشواری کو اپنے لئے دعوت دیتے پھرتے ہیں۔

فلسفۂ حلال وحرام کی روشنی میں تصورِ بدعت

اس بنیادی فلسفۂ دین اور اُصولِ حلت وحرمت کو سمجھنے کے بعد اب تصورِ بدعت کو سمجھنا ہمارے لیے قدرے آسان ہو جائے گا کہ اِس کہ رو سے ہر وہ نیا کام جس کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہو وہ ہمارے لئے جائز اور مباح ہے تاوقتیکہ اس کام کی حرمت اور ممانعت کتاب وسنت یا پھر آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو جائے۔

اب یہ کہنا بالکل بجا طور پر درست تسلیم کیا جائے گا کہ جب کسی چیز کو:

۱۔ قرآن نے ناجائز نہیں کیا۔

.......۳۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۱، کتاب السنة، باب لزوم السنة، رقم: ۴۶۱۰

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۷۹، رقم: ۱۵۴۵

۵۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۴۲۵، رقم: ۶۶۲۸

۶۔ بزار، المسند، ۳: ۲۹۲، رقم: ۱۰۸۴

۷۔ ابو یعلی، المسند، ۲: ۱۰۴، رقم: ۷۶۱

۸۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۲۱: ۲۹۰

۹۔ بیهقی، المدخل الی السنن الکبریٰ، ۱: ۲۱۸، رقم: ۲۷۸

۱۰۔ قرطبی، جامع لأحکام القرآن، ۶: ۳۳۵

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۲۸۶

۲۔ سنت نبوی ﷺ نے ناجائز نہیں گردانا۔

۳۔ آثار صحابہ رضی اللہ عنہ نے ناجائز قرار نہیں دیا۔ اور

۴۔ نہ ہی اجماع اُمت اس کی حرمت پر متفق ہے۔

تو اس وقت وہ شئے اپنی اِباحت کے اُصول پر جائز رہتی ہے، خواہ نئی ہو یا پرانی۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری، قصّہٴ جدید و قدیم

(اقبالؒ)

کسی شئے کا محض پرانا یا نیا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کا معنی تب متعین ہوتا ہے جب وہ شئے کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھی جائے۔ جو شئے قرآن کی نص سے متعارض ہو یا سنتِ رسول ﷺ اور اِجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہ کی مخالف ہوتو ایسی چیز بہرحال ناجائز اور مردود ہوگی چاہے اسے کرنے والے کوئی بڑے معتبر افراد ہی کیوں نہ ہوں اور اگر کوئی شئے قرآن وسنت اور اِجماع صحابہ کی مخالف نہیں ہے اور اس پر بالصراحت نہی وارد نہیں ہوئی تو وہ شئے جائز ہوگی خواہ ساری اُمت مل کر اس کی حرمت کا فتویٰ کیوں نہ صادر کردے۔ اس لئے کہ کسی شئے کو حرام کرنے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی ہے کسی اور کو نہیں۔

فصل سوم:

کسی شئے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے

- حضور ﷺ اور صحابہؓ سے کسی عمل کا ذکر ثابت نہ ہونا، حرمت کی دلیل نہیں
- عدمِ ثبوتِ فعل کے حکم کا اُصولی ضابطہ
- نفسِ مسئلہ پر کتاب وسنت کے دلائل

قابل توجہ نکتہ

خلاصۂ بحث

حضور ﷺ اور صحابہ ؓ سے کسی عمل کا ذکر ثابت نہ ہونا، حرمت کی دلیل نہیں

حضور ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کا کسی کام کو ترک کردینا اس کی حرمت کی دلیل نہیں ہوسکتا ورنہ ہر وہ عمل جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان نہیں کیا اور اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھا وہ بھی حرام ہو جاتا، کیونکہ اگر حضور ﷺ یا صحابہ کے ترک کر دینے سے کوئی کام بدعت سیئہ بن جاتا ہے تو کیا قرآن میں ترکِ ذکر سے وہ بدعت نہیں بنے گا ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً بلکہ بطریق اولیٰ بدعتِ مذمومہ بنے گا لہٰذا ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ترکِ ذکر یا عدمِ ثبوتِ فعل حرمت کی دلیل نہیں کیونکہ عدمِ ثبوتِ فعل اور ثبوت عدمِ جواز (یعنی فعل کا نہ کرنا اور فعل کا حرام ہونا) دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

''عدمِ ثبوتِ فعل'' کے حکم کا اُصولی ضابطہ

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) فتح الباری میں نقل کرتے ہیں کہ:

الفعل يدل على الجواز وعدم الفعل لايدل على المنع۔(۱)

''کسی کام کا کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے اور نہ کرنا منع کی دلیل نہیں''

علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ:

ثم الثابت بعد هذا نفى المندوبية أما ثبوت الكراهة فلا اِلّا أن

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۱۵۵

يدل دليل آخر۔(۱)

''(یعنی نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کے) نہ کرنے سے اِس قدر ثابت ہوا کہ مندوب نہیں۔ رہا کراہت کا ثبوت وہ اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک اور کوئی دلیل اِس (کراھت) پر قائم نہ ہو۔''

اِباحتِ اصلی پر کتاب وسنت سے دلائل

اسلام ایک آسان، واضح اور قابل عمل دین ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں کوئی شئے اس وقت تک ناجائز اور حرام قرار نہیں پاتی ہے جب تک قرآن وسنت اسے ناجائز اور حرام قرار نہ دے دیں۔ جس شے کو کتاب وسنت میں صراحت کے ساتھ حرام نہیں قرار دیا گیا اسے ازروئے شرع حرام تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں شریعتِ اسلامیہ نے جائز اور حلال اشیاء کی فہرست نہیں گنوائی بلکہ ناجائز اور حرام چیزوں کی فہرست مہیا کر دی ہے جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ واضح احکام پر مشتمل ہے مثلاً خنزیر، بہتا ہوا لہو، مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانوروں کے گوشت وغیرہ کو بالصراحت حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح دیگر مشروبات و ماکولات، رشتوں، معاملات اور عقائد میں سے جملہ محرمات گنوا کر مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ فلاں فلاں چیزیں تمہارے لئے حرام ہیں اور ان کے علاوہ اس کائنات ارضی و سماوی میں جو کچھ بھی ہے اسے تمہارے لئے حلال اور مسخر کر دیا تاکہ تم ان سے استفادہ کرو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِنْهُ۔(۲)

(۱) ۱۔ ابن ہمام، فتح القدیر، ۱: ۴۴۶
۲۔ ابن نجیم حنفی، البحر الرائق، ۱: ۲۶۶
۳۔ ابن عابدین، حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۱۴
۴۔ السیواسی، شرح فتح القدیر، ۱: ۴۴۶
(۲) القرآن، الجاثیہ، ۴۵: ۱۳

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے''

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتیں انسان کے لئے پیدا کیں اور ان پر اسے جائز استعمال کا اختیار دے کر احسان فرمایا۔ اگر وہ خالقِ کائنات، رحمٰن و رحیم خود انسان پر ان نعمتوں کو حرام ٹھہرا دیتا اور انہیں ان سے مستفید ہونے کی اجازت نہ دیتا تو اس کا کیا ہوا یہ وعدہ کیونکر اس کے رب العالمین ہونے پر شہادت فراہم کرتا جو اس قرآنی ارشاد میں مذکور ہے:

اَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَ بَاطِنَةً۔(۱)

''(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔''

قرآنی ارشاد کی رو سے حلال و جائز اشیاء کے عموم کے پیش نظر جب ہم حرام اشیاء پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ہمیں اس کی رحمتوں اور بے پایاں مہربانیوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ جو اشیاء بھی اسلام میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں خواہ ان کا حکم اللہ رب العزت نے دیا ہو یا اس کے پیارے رسول ﷺ نے انہیں اپنے تشریعی و تکوینی اختیارات سے حرام ٹھہرایا ہو، وہ حکم کسی خاص مصلحت اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے مثلاً اسلامی شریعت میں حرام کی گئی اشیائے خورد و نوش میں جو قباحتیں اور ضرر رسانیاں مضمر ہیں چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آج انہیں جدید سائنسی تحقیقات ان کی تصدیق کر رہی ہیں۔ مذکورہ ضرر رساں اشیاء کے علاوہ کائنات کی تمام چیزیں حلال قرار دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔(۲)

(۱) القرآن، لقمان، ۳۱: ۲۰
(۲) القرآن، البقرة، ۲: ۲۹

’’ وہی (اللہ) ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کر دیں۔‘‘

اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے حرام چیزیں بیان کر دی ہیں اور جن چیزوں کے بارے میں خاموش ہے وہ جائز ہیں۔قرآن کا قاعدہ ہے کہ

قَدۡ فَصَّلَ لَکُمۡ مَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمۡ ۔(۱)

’’اس نے تمہارے لئے ان (تمام) چیزوں کو تفصیلاً بیان کر دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔‘‘

اس آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جن کا ذکر نہیں کیا گیا وہ حلال ہیں کیونکہ ترکِ ذکر کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔پس ثابت ہوا کہ **ترکِ ذکر اباحت کی دلیل ہے نہ کہ حرمت کی۔**

ایک اور مقام پر قرآن محرمات (وہ عورتیں جن سے شادی کرنا ممنوع ہیں) کا ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے :

وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذَالِکُمۡ۔(۲)

’’اور اس کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔‘‘

اس آیت مبارکہ میں قرآن واضح کر رہا ہے کہ ترکِ ذکر حرمت کی نہیں بلکہ حلت کی دلیل ہے تو جب قرآن میں ترک ذکر حلت کی دلیل ہے تو پھر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ترکِ فعل کیسے حرمت کی دلیل بن گیا۔

قابل توجہ نکتہ

اس تصریح کے بعد یہ اَمر بھی قابل توجہ ہے کہ شریعت اگر اس چیز کا نام ہو کہ جسے خدا اور اس کے رسول ﷺ نے جائز اور حلال فرمایا اس کو جائز اور جس پر شریعت خاموش ہے اس کو ناجائز اور حرام ٹھہرالیا جائے تو پھر روز مرہ زندگی میں صبح شام ہزاروں

(۱) القرآن، الانعام، ۶: ۱۱۹

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

امور ایسے ہیں جن کا حکم نہ اللہ نے دیا ہے اور نہ حضور ﷺ نے ان کے متعلق بظاہر کچھ فرمایا ہے مثلاً ہمارے کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے اور بچھونے کی اَشیاء غرضیکہ ہمارا ہر لمحہ حیات ایسی چیزوں سے وابستہ ہے جو ہماری زندگی میں جزو لاینفک کی حیثیت حاصل کرچکی ہیں جو عہدِ نبوی اور دورے صحابہ میں موجود نہیں تھیں، تو وہ بھی حرام ٹھہریں گی اور اس طرح ان لاکھوں نئے معاملات میں گھری ہوئی ہماری مکمل زندگی اس تصور بدعت کے زمرے میں آ کر جمود و تعطل کا شکار ہو جائے گی اور شریعتِ اسلامیہ کی کشش اور تازگی ختم ہو جائے گی۔ یقیناً ایسا نہیں ہے بلکہ وہ معاملات جن کے متعلق قرآن وسنت کے صریح احکامات موجود نہیں ہیں انہیں حضور ﷺ نے **وما سکت عنه فهو مما عفا عنه** فرما کر جائز اور مباح قرار دے دیا۔ اس حوالے سے چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ **اِمام ترمذیؒ** (۲۷۹ھ) جامع ترمذی، کتاب اللباس میں روایت کرتے ہیں جب حضور ﷺ سے ایک بار گھی، پنیر اور دوسری اشیائے خوردنی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحلال ما أحلّ الله في كتابه و الحرام ما حرّم الله في كتابه وما سكت عنه فهو مما عفا عنه۔(۱)

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۴: ۲۲۰، کتاب اللباس، **باب في لبس الفراء**، رقم: ۱۷۲۶
۲۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۱۱۷، کتاب الاطعمة، **باب أكل الجبن و السمن**، رقم: ۳۳۶۷
۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴
۴۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵
۵۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۱۰: ۱۲
۶۔ ديلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰
۷۔ ابراہیم حسينی، البيان والتعريف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶
۸۔ قرطبی، الجامع لاحكام القرآن، ۲: ۲۲۱
۹۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۲۰۶

’’وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اور وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔‘‘

۲۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما أحلّ اللہ فی کتابہٖ فھو حلال و ما حرّم فھو حرام وما سکت عنہٗ فھو عافیۃ فاقبلوا من اللہ عافیۃ ان اللہ لم یکن نسیا۔(۱)

’’جس (چیز) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جس (چیز) کو حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے۔ اور جس (چیز) پر خاموشی اختیار کی ہے تو وہ تمہارے لیے معاف ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے عافیت لے لو بے شک اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں۔‘‘

۳۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) ۱۔ بیہقی، سنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۲۲۰، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، رقم: ۱۷۲۶
۳۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۱۱۷، کتاب الاطعمۃ، باب أکل الجبن و السمن، رقم: ۳۳۶۷
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴
۵۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵
۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۷۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰
۸۔ ابراہیم حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶

ان اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوها و حرّم حرمات فلا تنتهكوها وحدّ حدوداً فلا تعتدوها وسكت عن أشياء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها۔(۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں فرض کی ہیں۔ انہیں ہاتھ سے نہ جانے دو اور کچھ حرام فرمائی ہیں ان کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بغیر بھولے سکوت فرمایا ہے ان کی کھوج نہ لگاؤ۔''

ملا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) حضور ﷺ کے اِس ارشاد کہ **لا تبحثوا عن تلک الاشیاء** (ان چیزوں سے بحث نہ کرو) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دل على أن الاصل فى الاشياء الاباحة كقوله تعالىٰ هو الذى خلق لكم ما فى الارض جميعًا۔(۲)

''یہ فرمانِ نبوی بھی اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اَشیاء میں اصل اِباحت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اِرشاد ''هوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا'' سے اباحت ثابت ہوتی ہے۔''

---

(۱) ۱۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۱۸۴، رقم: ۴۲
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۲۲۲، رقم: ۵۸۹
۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۷۱
۵۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۷: ۶۲۶
۶۔ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۹: ۱۷
۷۔ قرطبی، الجامع لاحکام القران، ۶: ۳۳۴
۸۔ طبری، جامع البیان، ۷: ۸۵
(۲) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ۱: ۲۲۳

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض ہو گیا پس حج کیا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ ﷺ خاموش رہے حتی کہ اس نے تین بار یہی سوال کیا پھر حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتے پھر آپ نے فرمایا:

ذرونی ما ترکتکم فإنما هلک من کان قبلکم بکثرة سؤالهم و إختلافهم علی أنبيائهم فَإِذَا أمرتکم بشيءٍ فأتوا منه ما استطعتم و إذا نهيتکم عن شئ فدعوه۔(۱)

’’جس بات کی میں نے تم پر تنگی نہیں کی اس میں مجھ سے تفتیش (یعنی سوال) نہ کیا کرو کیونکہ اگلی اُمتیں اپنے اُنبیاء سے کثرت سے سوالات کرنے اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ پس جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے بقدر قدرت بجا لاؤ اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔‘‘

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج بالا حدیثِ مبارکہ صحیح ابن حبان میں ان الفاظ سے بھی مروی ہے:

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۹۷۵، کتاب الحج، باب فرض الحج، رقم: ۱۳۳۷

۲۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۳، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، رقم: ۲

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۰۸، رقم: ۱۰۶۱۵

۴۔ اسحاق بن راهويه، المسند، ۱: ۱۵۱، رقم: ۹۱

۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۳۲۵، رقم: ۸۳۹۸

۶۔ ابو نعیم اصبهانی، المسند المستخرج علی صحیح الامام المسلم، ۴: ۱۱، رقم: ۳۱۰۸

۷۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۸۹

ذرونی ما ترکتکم فإنما هلک الذین قبلکم بکثرة سؤالهم و إختلافهم علی أنبیائهم فإذا نهیتکم عن شیئی فاجتنبوه و إذا أمرتکم بأمر فأتوا منه ما استعطتم۔(۱)

''جس بات کی میں نے تم پر تنگی نہیں کی اس میں مجھ سے تفتیش (یعنی سوال) نہ کرو کیونکہ اگلی اُمتیں اپنے اَنبیاء سے کثرتِ سوالات اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں پس میں جس بات سے منع کروں تو اس سے بچو اور جس کا حکم دوں اسے بقدر استطاعت بجا لاؤ۔''

خلاصۂ بحث

ان آیات و احادیث کی روشنی میں شریعتِ مطہرہ کا یہ اُصول اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی جن اشیاء کو شریعت نے حلال قرار دیا وہ حلال ہیں اور جنہیں حرام قرار دیا وہ حرام ہیں اور جن اشیاء کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ان کے بارے میں کوئی بھی حکم حلال وحرام کا نہ دیا گیا ہو وہ مباح اور جائز ہوں گی کسی شئ کو محض عدمِ ذکر یا عدمِ ثبوت کی وجہ سے ناجائز یا حرام تصور کرنا شریعت کے منافی اور

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۱۸، رقم: ۳۷۰۴
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۴۷، رقم: ۷۳۶۱
۳۔ ابن راهویة، المسند، ۱: ۱۳۴، رقم: ۶۰
۴۔ ابو یعلی، المسند، ۱۱: ۱۹۵، رقم: ۶۳۰۵
۵۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۴۱، رقم: ۳۱۳۷
۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۵۸
۷۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۸۹
۸۔ هبة اللہ، اعتقاد اهل السنة، ۱: ۱۱۴، رقم: ۱۷۶
۹۔ ذهبی، سیر اعلام النبلاء، ۵: ۳۱۲

اسلام کے متعین کردہ نظامِ حلت و حرمت سے انحراف کے مترادف ہے کیونکہ کسی شے پر شارع علیہ السلام کا سکوت فرمانا بذاتِ خود اس شئے کے مباح اور جائز ہونے کی دلیل ہے۔

باب : ۹

بدعت کی تقسیمات

فصل اول:

بدعت کی دو معروف تقسیمات

فصل دوم:

بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئۃ کی اقسام

فصل اول:

بدعت کی دو معروف تقسیمات

❁ بدعت کی پہلی تقسیم

۱۔ بدعتِ لغوی **(Literal Innovation)**

۲۔ بدعتِ شرعی **(Legal Innovation)**

❁ بدعت کی دوسری تقسیم

۱۔ بدعتِ حسنہ **(Commendable Innovation)**

۲۔ بدعتِ سیّئۃ **(Condemned Innovation)**

بدعتِ حسنۃ بدعتِ لغوی ہے

بدعتِ سیّئۃ ہی بدعتِ شرعی ہے

تصورِ بدعت کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیاں دور کرنا اِنتہائی ضروری ہے۔ اس باب میں ائمہ ومحدّثین کی بیان کردہ بدعت کی تقسیم کا ذکر بہت اہمیت کا حامل ہے۔اَکابر ائمہ اِسلام نے کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ کے ذریعے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ ہر بدعت ناجائز اور حرام نہیں ہوتی۔صرف وہ بدعت ناجائز اور ممنوع ہوتی ہے جس کی کوئی اصل، مثال، دلیل یا نظیر کتاب و سنت میں موجود نہ ہو۔ ایسی بدعت شریعت کے کسی نہ کسی حکم کے واضح طور پر مخالف اور متضاد ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو ''نیا کام'' احکامِ شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ ایسے اُمور میں داخل ہو جو اَصلاً حسنات و خیرات اور صالحات کے زمرے میں آتے ہیں تو ایسے جملہ نئے کام محض لغوی اِعتبار سے تو ''بدعت'' کہلائیں گے کیونکہ ''بدعت'' کا لغوی معنی ہی ''نیا کام'' ہے ورنہ وہ شرعًا نہ تو بدعت ہوں گے اور نہ ہی مذموم اور باعثِ ضلالت ۔ یقیناً ایسے اُمورمبنی برخیر ''اُمورِ حسنہ'' متصور ہوں گے۔

تصورِبدعت کو سمجھنے کے لئے لفظِ ''مُباح'' کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کیونکہ اس سے نفسِ مسئلہ سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ لفظِ مباح، اِباحت سے مشتق ہے۔ **اِمام جوینیؒ** (۴۷۸ھ) **البرھان فی أصول الفقه** میں مباح کا معنی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **وأمّا المباح فهو ما خير الشارع فيه بين الفعل والترک من غير إقتضاء ولا زجر۔(۱)**
>
> ''شارع کا (مکلّف کو) کسی اِقتضاء و زجر کے بغیر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دینا مباح کہلاتا ہے۔''

دوسرے لفظوں میں وہ کام جس کی حرمت و فرضیت کے بارے میں کتاب و

(۱) جوینیؒ، البرهان فی أُصول الفقه، ۱: ۲۱۶

سنت کا کوئی حکم موجود نہ ہو اسے مباح کہتے ہیں۔ مباح اَصل میں جائز ہوتا ہے کیونکہ اس کی حرمت پر کوئی نہی وارد نہیں ہوتی۔ اِسلامی شریعت کا معروف قاعدہ اور اُصول ہے کہ **الاصل فی الأشياء إباحة** [1] یعنی ہر چیز کی اَصل اِباحت یعنی جائز ہونا ہے۔

نوٹ: اِباحت اصلیہ پر تفصیلی بحث اس کتاب کے باب:۸ ''اِباحت اور تصورِ بدعت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

بدعت کی پہلی تقسیم

۱۔ بدعتِ لغوی ۲۔ بدعتِ شرعی

۱۔ بدعتِ لُغوی (Literal Innovation)

بدعتِ لغوی سے مراد وہ نئے اُمور ہیں جو صراحتاً کتاب وسنت سے ثابت نہ ہوں لیکن ان کی اَصل، مثال یا نظیر شریعت میں موجود ہو اور یہ شریعت کے مستحسنات کے ذیل میں آتے ہوں جیسے نمازِ تراویح کی جماعت، قرآنی آیات پر اِعراب، دینی علوم کی تفہیم کے لئے صرف ونحو کا درس و تدریس، اُصولِ تفسیر، اُصول حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ اور دیگر علومِ عقلیہ وغیرہ کی تعلیم کا اِہتمام وغیرہ۔ یہ سب اُمور بدعاتِ لغویہ میں شامل ہیں۔

اِمام اِبن تیمیہ (۷۲۸ھ) اپنی کتاب ''منهاج السنة'' میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان ''نعمت البدعة هذهِ''[2] کے ذیل میں بدعتِ لغوی کی

(۱) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶:۴۵۹
۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴:۷۷
۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹:۲۵۶
۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱:۶۰

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

←

وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

إنّما سمّاها بدعة لأن ما فعل ابتداء، بدعة لغة، وليس ذلک بدعة شرعية، فإنّ البدعة الشّرعية التی هی ضلالة ما فعل بغير دليل شرعی۔ (۱)

''اِسے (یعنی با جماعت نمازِ تراویح کو) بدعت اِس لیے کہا گیا کہ یہ عمل اس سے پہلے اِس انداز میں نہیں ہوا تھا لٰہذا یہ بدعتِ لُغوی ہے، بدعتِ شرعی نہیں ہے۔ بدعتِ شرعی وہ گمراہی ہوتی ہے جو دلیلِ شرعی کے بغیر سراَنجام دی جائے۔''

۲۔ بدعتِ شرعی (Legal Innovation)

بدعتِ شرعی سے مراد اَیسے نئے اُمور ہیں جو نہ صرف کتاب و سنت سے متخالف و متناقض ہوں اور اَخیارِ اُمت کے اِجماع کے بھی مخالف ہوں۔ دوسرے لفظوں میں ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اَصل، مثال یا نظیر پہلے سے کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو، ''بدعتِ شرعی'' ہے۔ ذیل میں بدعتِ شرعی کی چند تعریفات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ***علامہ ابن تیمیہ*** (۷۲۸ھ) بدعتِ شرعی کی تعریف کرتے ہوئے اپنے معروف فتاویٰ ''مجموع الفتاویٰ'' میں لکھتے ہیں:

........۲۔بخاری، الصحيح، کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بيهقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۱) ابن تيميه، منهاج السنة، ۴: ۲۲۴

والبدعة ما خالفت الكتاب و السنة أو اجماع سلف الأمة من الاعتقادات و العبادات كأقوال الخوارج والروافض و القدرية و الجهمية۔(۱)

’’بدعت سے مراد ایسا کام ہے جو اعتقادات و عبادات میں کتاب و سنت اور اَخیارِ اُمت کے اِجماع کی مخالفت کرے جیسے خوارج، روافض، قدریۃ اور جہمیۃ کے عقائد۔‘‘

۲۔ **شیخ ابن رجب حنبلیؒ** (المتوفی ۷۹۵ھ) اپنی کتاب ’’**جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**‘‘ میں بدعت شرعی کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أحدث مما لا اصل له فی الشريعة يدل عليه واما ما كان له اصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً وان كان بدعة لغة۔ (۲)

’’بدعت (شرعی) سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہوگا۔‘‘

۳۔ اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالمِ دین **نواب صدیق حسن خان بھوپالی** (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس کے نتیجے میں کوئی سنت متروک ہو جائے۔ جو نیا کام کسی امرِ شریعت سے متناقض نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے۔ شیخ وحید الزماں اپنی کتاب ھدیۃ المھدی کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۳: ۱۹۵
(۲) ابن رجب حنبلی، **جامع العلوم و الحکم**، ۱: ۲۵۲

علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضلالة المحرمة هی التی ترفع السنة مثلها والتی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة بل هی مباح الاصل۔(۱)

''بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے۔ جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

وہ بدعت جو مستحسن اُمور کے تحت آتی ہے اور قرآن و حدیث کے کسی حکم سے متضاد بھی نہیں وہ مشروع، مباح اور جائز ہے۔ اسے محض بدعت یعنی نیا کام ہونے کی بنا پر مکروہ یا حرام قرار دینا کتاب وسنت کی روح کے منافی ہی نہیں بلکہ منشائے اِلٰہی کے خلاف بھی ہے۔

وضاحت

تقسیمِ بدعت کے حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ بعض اوقات ایک کام محض لُغوی اِعتبار سے بدعت ہوتا ہے شرعی اِعتبار سے نہیں۔ بعض لوگ بدعتِ لغوی کو ہی بدعتِ شرعی سمجھ کر حرام کہنے لگتے ہیں۔ لفظِ بدعت، چونکہ بَدَعَ سے مشتق ہے جس کے معنی ''نیا کام'' کے ہیں۔ اس لئے **لُغوی اعتبار سے ہر نئے کام کو خواہ اچھا ہو یا برا، صالح ہو یا فاسد، مقبول ہو یا نامقبول بدعت کہہ دیا جاتا ہے۔** یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے اِس اِبہام سے بچنے کے لیے بدعت کی ایک اُصولی تقسیم یہ کی ہے کہ اسے بنیادی طور پر بدعت لغوی اور بدعتِ شرعی، دو اقسام میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور بدعت کو بلا اِمتیاز و بلا تفریق صرف ایک ہی اکائی سمجھ کر ہر نئے کام کو جو عہدِ رسالتِ مآب ﷺ یا عہدِ صحابہ کے بعد ایجاد ہوا یا رواج پذیر ہوا، **مذموم**، حرام اور باعث ضلالت قرار نہیں دیا بلکہ کسی نئے کام کو ''**بدعةِ لغويه**'' کے زمرے

(۱) وحید الزمان، ہدیة المہدی: ۱۱۷

میں رکھا ہے اور کسی کو ''بدعۃِ شرعیۃ'' کے زمرے میں۔ اس طرح صرف بدعتِ شرعیۃ کو ہی بدعتِ ضلالت قرار دیا ہے جبکہ بدعتِ لغویہ کو بالعموم بدعتِ حسنہ تصور کیا ہے۔

اس تقسیم کو صراحۃً بیان کرنے والوں میں منجملہ کثیر ائمہ دین اور علماء اعلام کے ابنِ تیمیہ (۷۲۸ھ)، ابنِ کثیر (۷۷۴ھ)، ابنِ رجب حنبلی (۷۹۵ھ)، علامہ شوکانی (۱۲۵۵ھ) اور علامہ بھوپالی (۱۳۰۷ھ) سے لے کر شیخ عبدالعزیز بن باز (۱۴۲۱ھ) تک، ایک خاص نقطۂ نظر رکھنے والے علماء بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بعض علماء اور محدّثین جو اپنے آپ کو ''سلفی'' کہتے ہیں، سوادِ اعظم سے اپنے آپ کو جدا قرار دیتے ہیں اور کسی لحاظ سے بھی بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی تقسیم جائز نہیں سمجھتے وہ بھی بدعت کو بدعتِ لُغوی اور بدعتِ شرعی میں تقسیم کرتے ہیں جبکہ ہم بدعتِ حسنہ اور سیئۃ کے ساتھ بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی کی تقسیم کو بھی مانتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جس کو وہ بدعت شرعی کہتے ہیں ہم اسے بدعتِ سیئۃ، بدعتِ ضلالۃ یا بدعتِ قبیحۃ بھی کہتے ہیں اور جس کو وہ بدعتِ لُغوی کہتے ہیں ہم اسے بدعتِ حسنہ، بدعتِ صالحہ اور بدعتِ خیر سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی نئے عمل کی حلت وحرمت کو جانچنے کے لئے اسے دلیلِ شرعی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اگر وہ عمل موافقِ دلیل ہو تو ''بدعتِ حسنہ'' کہلائے گا اور اگر مخالفِ دلیل ہو تو ''بدعتِ سیئہ'' یا ''بدعتِ مذمومہ''۔

مختصراً یہ کہ **بدعت کے دراصل دو اِطلاقات ہیں: ایک شرعی اور دوسرا لغوی۔ شرعی اِطلاق میں بدعت ''محدثات الأمور'' کو شامل ہے اور یہی ''بدعتِ سیّئہ'' ہے۔ سو اس معنی میں ''کل بدعة ضلالةٌ'' درست ہے، کیونکہ اس کا معنی و مراد ہی ''کل بدعةٍ سيّئةٍ ضلالةٌ'' ہے لیکن لغوی اِطلاق میں بدعت کی تقسیم ہوگی۔ وہ اِسطرح کہ اگر وہ مخالفِ دلیلِ شرعی یا منافی و ناسخِ سنّت ہو تو خود بخود ''بدعت شرعی'' ہو جائے گی اور وہی ''بدعتِ سیّئہ'' ''بدعتِ مذمومہ'' یا ''بدعتِ ضلالۃ'' ہوگی لیکن اگر مخالفِ شریعت نہ ہو اور نہ ہی ناسخِ سنّت ہو تو وہ مباح اور جائز ہوگی۔**

بدعتِ حسنہ کی اَہمیت وضرورت اور افادیت ومصلحت کے اعتبار سے اس کی مزید درجہ بندی کی گئی ہے سو یا وہ فقط بدعتِ مباحہ ہوگی، یا بدعتِ مندوبہ (مستحبّہ) ہوگی یا بدعتِ واجبہ یعنی صورۃً وھیئۃً تو وہ کوئی نیا کام ہوگا مگر اصلاً و دلالۃً اَمرِ خیر اور اَمرِ صالح ہوگا جسے شریعتِ اِسلامیہ کے عمومی دلائل و اَحکام کی اُصولی تائید میسّر ہوگی۔ اسی لئے تمام ائمہ ومحدّثین اور فقہاء ومحققین نے ہر زمانے میں بدعت کی یہ تقسیم بیان کی ہے۔

اگر ہر نیا کام محض اپنے نئے ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار پائے تو لامحالہ تعلیماتِ دین اور فقہ اسلامی کا بیشتر حصہ ناجائز کے زمرے میں آجائے گا۔ اِجتہاد کی ساری صورتیں، قیاس اور استنباط کی جملہ شکلیں ناجائز کہلائیں گی۔ اسی طرح دینی علوم و فنون اور ان کو سمجھنے کے لئے جملہ علومِ خادمہ جو فہمِ دین کے لئے ضروری اور عصری تقاضوں کے مطابق لابدی ہیں ان کا سیکھنا، سکھانا بھی حرام قرار پائے گا کیونکہ یہ سب علوم وفنون اپنی موجودہ شکل میں نہ عہدِ رسالت میں موجود تھے نہ ہی عہدِ صحابہ کرام میں۔ انہیں تو بعد میں ضرورت کے پیشِ نظر وضع اور مرتب کیا گیا۔ یہ تمام علوم وفنون اپنی ہیئت، اُصول، اِصطلاحات، تعریفات اور قواعد وضوابط کے اعتبار سے نئے ہیں لہٰذا بلاشک و شبہ یہ سب بدعتِ لُغوی کے زمرے میں آتے ہیں۔ مزید برآں اگر ہر نیا کام بدعتِ شرعی اور ضلالت و گمراہی قرار پائے تو دینی مدارس کی مروجہ تعلیم و تدریس اور نصابات کا بیشتر حصّہ بھی گمراہی قرار پائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ درس نظامی کے نصابات کے طریق پر درس و تدریس نہ تو حضور ﷺ کے زمانۂ اقدس میں تھی اور نہ ہی اس طرح کسی صحابی نے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کا طریقہ نہایت سادہ تھا۔ یہ فقط قرآن و حدیث کے سماع و روایت پر مبنی تھا۔ لہٰذا قرآن حکیم کی موجودہ شکل میں طباعت و زیبائش سے لے کر حرمِ کعبہ اور مساجد کی پختہ تعمیر اور تزئین و آرائش تک بہت سے معاملات کا جواز بھی مجروح اور ساقط ہو جائے گا۔ اس ساری تفصیل بیان کرنے کا مقصد فقط یہ ہے کہ اِشکال دور کرنے کے لیے بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم ناگزیر ہے۔

بدعت کی دوسری تقسیم

۱۔ بدعتِ حسنہ ۲۔ بدعتِ سیّئة

۱۔ بدعتِ حسنہ (commendable Innovation)

بدعتِ حسنہ سے مراد وہ نیا عمل ہے جس کی اَصل، مثال یا نظیر کتاب و سنت میں موجود ہو اور وہ احکامِ شریعت سے متخالف و متناقض نہ ہو بلکہ شریعت کے مستحسنات کے تحت داخل ہو۔ **اِمام بدرالدین عینیؒ** (۸۵۵ھ) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں بدعت کی تعریف اور تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة علی نوعین: اِن کانت مما يندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی بدعة حسنة واِن کانت مما يندرج تحت مستقبح فی الشرع فهی بدعة مستقبحة۔(۱)

''بدعت کی دو قسمیں ہیں، اگر یہ شریعت کے مستحسنات کے تحت آ جائے تو یہ بدعتِ حسنۃ ہے اور اگر یہ شریعت کے مستقبحات کے تحت آجائے تو یہ بدعتِ مستقبحة ہو گی۔''

۲۔ بدعتِ سیّئة (condemned innovation)

بدعتِ سیئہ سے مراد وہ نیا عمل ہے جو قرآن و حدیث کے مخالف ہو اور اس کی اصل مثال یا نظیر بھی کتاب و سنت میں نہ ہو دوسرے لفظوں میں بدعت سیئہ سے مراد وہ بدعت ہے جو کسی سنت کے ترک کا باعث بنے اور امرِ دین کو توڑے۔ **علامہ اسماعیل حقیؒ** (۱۱۳۷ھ) بدعت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بدعت صرف اُس عمل کو کہا جائے گا جو سنتِ رسول یا عملِ صحابہ و تابعین کے خلاف ہو،

(۱) عینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ۱۱: ۱۲۶

فرماتے ہیں:

أن البدعة هی الفعلة المخترعة فی الدین علی خلاف ما کان علیه النبی علیه السلام و کانت علیه الصحابة و التابعون رضی اللہ عنہم۔(۱)

''بدعت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سنت کے خلاف گھڑا جائے ایسے ہی وہ عمل صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے طریقے کے بھی مخالف ہو۔''

بدعتِ حسنہ بدعتِ لُغوی ہے

بے شمار اُمورِ خیر اور اُمورِ صالحہ کو اُن کے ''نئے پن'' کی وجہ سے بعض علماء اور محدّثین بدعتِ لغوی اور بعض بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ حقیقت میں دونوں اِصطلاحات کا مقصود و مفہوم ایک ہی ہے۔ صرف الفاظ کا فرق ہے۔ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہم بدعتِ حسنہ اور سیئہ کی تقسیم کے ساتھ ساتھ بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی کی تقسیم کو بھی مانتے ہیں۔ ہم ان دونوں تقسیمات میں کوئی تضاد نہیں سمجھتے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جس کو وہ بدعتِ شرعی کہتے ہیں ہم اسے بدعتِ سیئہ، بدعتِ ضلالۃ یا بدعتِ قبیحہ کہتے ہیں اور جس کو وہ بدعتِ لغوی کہتے ہیں ہم اسے بدعتِ حسنہ، بدعتِ صالحہ اور بدعتِ خیر کہتے ہیں۔ ذیل میں چند اُن علماء اور محدّثین کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو بدعت کو حسنہ اور سیئہ کی بجائے بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کی اِس تقسیم پر تھوڑا سا غور کرنے سے یہ اَمر واضح ہو جاتا ہے کہ بدعتِ حسنہ ہی بدعتِ لغوی ہے اور بدعتِ سیئہ ہی بدعت شرعی ہے۔

۱۔ **اِمام ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) اپنی کتاب ''منهاج السنة'' میں ''نعمت البدعة هذه'' کے ذیل میں نمازِ تراویح کو بدعتِ لغوی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) اسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، ۹: ۲۴

إنما سماها بدعة لأن ما فعل ابتداء، بدعة لغة، وليس ذلک بدعة شرعية، فإن البدعة الشرعية التی هی ضلالة ما فعل بغير دليل شرعی۔(۱)

''اِسے (یعنی نمازِ تراویح کو) بدعت اِس لیے کہا گیا کہ یہ عمل اس سے پہلے اِس انداز میں نہیں ہوا تھا لہٰذا یہ بدعتِ لغوی ہے بدعتِ شرعی نہیں ہے کیونکہ بدعت شرعی وہ گمراہی ہوتی ہے جو دلیلِ شرعی کے بغیر سرانجام دی جائے۔''

۲۔ اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) بھی 'تفسير القرآن العظيم' میں بدعت کی تقسیم بیان کرتے ہوئے نمازِ تراویح کو بدعت لغویہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

والبدعة علی قسمين تارة تکون بدعة شرعية کقوله فإن کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة(۲) و تارة تکون بدعة لغوية کقول أمير المؤمنين عمر بن الخطاب عن جمعه إيّاهم علی صلاة التراويح واستمرارهم: نعمت البدعة هذه۔(۳)

(۱) ابن تيميه، منهاج السنة، ۴: ۲۲۴

(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۳) ۱۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۲۔ بخاری، الصحيح، کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

←

’’بدعت کی دو قسمیں ہیں بعض اَوقات یہ بدعت شرعیۃ ہوتی ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ’’فإن کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة،، اور بعض اَوقات یہ بدعت لغویہ ہوتی ہے جیسا کہ اَمیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو نمازِ تراویح پر جمع کرتے اور دوام کی ترغیب دیتے وقت فرمان ’’نعمت البدعة هذه،، ہے۔

علامہ اِبنِ تیمیہ اور حافظ ابنِ کثیر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان ’’نعمت البدعة هذه،، میں بدعت کو بدعتِ لغوی شمار کیا ہے حالانکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہیں نہیں فرمایا کہ هذه بدعة لغوية بلکہ انہوں نے بدعت کے ساتھ لفظ ’’نعم،، اِستعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اُنہوں نے اِسے نعم البدعة یا بدعتِ حسنہ کہا ہے۔ اِس مفہوم کی شہادت قرآن میں بھی موجود ہے سورہ ص میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

نِعْمَ الْعَبْدُ ط إِنَّهٗ اَوَّابٌ (۱)

’’(حضرت سلیمان علیہ السلام) کیا خوب بندہ تھا، بے شک وہ بڑی کثرت سے توبہ کرنے والا تھا۔،،

اس آیت میں لفظِ نعم اِستعمال ہوا ہے اس کا معنی لغوی نہیں ہوتا بلکہ اِس کا معنی ’’اَچھا،، یعنی ’’حسنہ،، ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جسے نعم البدعة هذه کہا ہے لغت ہی کی رو سے اِس کا معنی بدعتِ حسنہ بنتا ہے یعنی باعتبارِ لغت بدعتِ لغوی سے مراد بدعتِ حسنہ ہے۔

۳۔ علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) اپنی کتاب ’’جامع العلوم والحکم،، میں

------ ۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بيهقى، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بيهقى، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۶۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۱۶۱

(۱) ص، ۳۸: ۳۰

نئے اُمورِ صالحہ کو بدعت لغوی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له في الشريعة يدلّ عليه، وأما ما كان له أصل من الشرع يدلّ عليه فليس ببدعة شرعاً وإن كان بدعة لغة۔(۱)

''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہو گا۔''

پس ثابت ہوا کہ بدعت کو لغوی اور شرعی میں تقسیم کرنے والوں کے نزدیک بھی بدعتِ حسنہ سے مراد بدعت لغوی ہے۔

بدعتِ سیّئة ہی بدعتِ شرعی ہے

جمہور اُئمہ و محدّثین اور اَکابر فقہاء نے حدیث ''**نعمت البدعة هذهٖ**''(۲) اور ''مَنْ سَنَّ فِيْ الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً''(۳) اور اس جیسی دیگر احادیث کی روشنی میں بدعت کی

(۱) ۱۔ ابن رجب حنبلیؒ، جامع العلوم والحكم، ۱: ۲۵۲

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۲۔بخاری، الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم:۱۹۰۶

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بیہقی، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بیہقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۲۔ مسلم، الصحيح، ۲: ۷۰۵، كتاب الزكوٰة، باب الحث على الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

←

تقسیم ”حسنہ “ اور ” سیئہ “ میں کی ہے جبکہ چند دیگر علماء نے بدعت لغوی اور بدعت شرعی میں تقسیم کی ہے۔اگر ان دونوں تقسیمات پر تھوڑا سا تفکر و تدبر کیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ نفسِ بدعت کی مفہوم اِن دونوں طبقات کے نزدیک ایک ہی ہے۔ دونوں کے نزدیک بدعتِ سیّئۃ ہی بدعتِ شرعی ہے اور بدعتِ شرعی ہی بدعتِ سیئہ ہے۔ اِمام شافعیؒ (۲۰۴ھ)، امام قرطبیؒ (۳۸۰ھ)، امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ)، امام ابن عبد السلامؒ (۶۶۰ھ) اور امام نوویؒ (۶۷۶ھ) وغیرہ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی اِصطلاح جبکہ علامہ ابن تیمیہ(۷۲۸ھ)، حافظ ابن کثیر(۷۷۴ھ)،علامہ ابن رجب حنبلی(۷۹۵ھ) اور علامہ شوکانی(۱۲۵۵ھ) وغیرہ بدعتِ لغویہ اور بدعتِ شرعیہ کی اِصطلاح اِستعمال کرتے ہیں۔مختصراً یہ کہ دونوں طبقات کی اِصطلاحات کا باہمی موازنہ کرنے اور دونوں کے مقصود و مطلوب پرغور کرنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دونوں عملی طور پر بدعت کی تقسیم پر متفق ہیں ۔مزید برآں دونوں کے نزدیک بدعتِ حسنہ ہی بدعتِ لغوی ہے اور بدعتِ سیئہ ہی بدعتِ شرعی ہے۔

نوٹ: مزید تفصیلات کے لیے باب دہم ” بدعت ائمہ و محدّثین کی نظر میں“ ملاحظہ فرمائیں۔

❁ ❁ ❁

------۳۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقہ، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجہ، السنن، ۱ :۷۴، مقدمۃ، باب سن سنۃ حسنۃ أو سیئۃ، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

فصل دوم:

بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئۃ کی اقسام

❁ بدعتِ حسنہ (لُغویہ) کی اقسام

۱۔ بدعتِ واجبہ (Compulsory Innovation)

۲۔ بدعتِ مستحبہ (Recommendatory Innovation)

۳۔ بدعتِ مباحہ (Permissible Innovationn)

❁ بدعتِ سیئہ (شرعیہ) کی اقسام

۱۔ بدعتِ محرّمہ (Forbidden Innovation)

۲۔ بدعتِ مکروہہ (Prohibited innovation)

❁ تقسیمِ بدعت پر اَحادیثِ نبوی سے اِستشہاد

جوڑوں (pairs) کے نظام سے اِستدلال

''من دعا اِلی ضلالۃ'' سے اِستدلال

''بدعۃ ضلالۃ'' فرمانے میں حکمت

تقسیمِ بدعت پر معروف کتب کی فہرست

خلاصۂ بحث

بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کی بنیاد بعد کے ائمہ و محدّثین اور علماء وفقہاء اسلام نے ہرگز نہیں رکھی بلکہ انہوں نے ارشاد نبوی ﷺ اور سنّتِ خلفائے راشدین کی ہی تشریح و توضیح کی ہے۔ اور اسے خاص علمی نظم کے ساتھ بیان کر دیا ہے لہٰذا **امام نوویؒ** (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ بنیادی طور پر بدعت کی دو اقسام ہیں، وہ لکھتے ہیں:

البدعة فی الشرع هی إحداث ما لم يكن فی عهد رسول الله ﷺ وهی منقسمة إلی حسنة و قبيحة۔(۱)

''شریعت میں بدعت سے مراد وہ نئے اُمور ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ تھے، اور یہ بدعت ''حسنہ'' اور ''قبیحہ'' میں تقسیم ہوتی ہے۔''

اسی طرح **اِمام ابن اثیر جزریؒ** (۶۰۶ھ) بھی بدعت کی بنیادی طور پر دو اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة بدعتان: بدعة هدیً و بدعة ضلال۔(۲)

''بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔''

لفظِ ''بدعتِ حسنہ'' خود ہی اس طرف اِشارہ کر رہا ہے کہ ہر نیا کام ناجائز اور

(۱) ۱۔ نووی، تهذيب الأسماء واللغات، ۳:۲۲
۲۔ نووی، شرح صحيح مسلم، ۱: ۲۸۶
۳۔سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۵۱
۴۔ صالحی، سبل الهدی والرشاد، ۱: ۳۷۰

(۲) ابن أثير جزری، النهاية فی غريب الحديث والأثر، ۱: ۱۰۶

حرام نہیں ہوتا بلکہ ہر ایسا نیا کام جس کی کوئی اصل، مثال یا نظیر کتاب و سنت میں موجود ہو یا شریعت کے ساتھ اس کی کوئی مطابقت ہو مزید برآں وہ مبنی بر خیر اور مبنی بر مصلحت ہو اور اصلاً حسنات و خیرات اور صالحات کے زمرے میں آتا ہو تو وہ ''بدعتِ حسنہ'' ہو گا اس کے برعکس اگر وہ بدعت دینِ اسلام سے متضاد ہو، قواعدِ دین، احکامِ دین، احکامِ سنت اور دین کی مصلحتوں کے خلاف ہو، کتاب و سنت کے کسی حکم کو منسوخ کر کے فتنہ پیدا کر رہی ہو تو وہ ''بدعتِ سیئہ'' ہو گی لہٰذا فرمانِ نبوی ﷺ ''کُلُّ بِدعَةٍ ضَلَالَةٌ'' خود بخود ''کُلُّ بِدْعَةٍ سَيِّئَةٍ ضَلَالَةٌ'' پر محمول ہو گا تا کہ بدعتِ حسنہ اس سے مستثنیٰ ہو سکے۔

کوئی معترض یہاں پر یہ اِعتراض وارد کر سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تو ''کُلُّ بِدعَةٍ ضَلَالَةٌ'' یعنی ہر بدعت کو ضلالت فرمایا ہے۔ پھر بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی تقسیم کہاں سے نکل آئی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تقسیم نئی نہیں بلکہ شروع سے لے کر آج تک تمام اکابر ائمہ و محدّثین نے حدیثِ نبوی کی روشنی میں بدعت کی یہ تقسیم بیان کی ہے۔ تفصیلات کے لئے اس کتاب کا باب دہم **''بدعت ائمہ و محدّثین کی نظر میں''** ملاحظہ فرمائیں۔ اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جہاں سے بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی کی تقسیم ماخوذ ہے وہیں سے بدعتِ حسنہ اور سیئہ نکلی ہیں۔ مثلاً حدیث'' **نعم البدعة هذه**'' میں باجماعت نمازِ تراویح کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ بدعتِ حسنہ نہیں بلکہ بدعتِ لغوی ہے، پس جس حدیث سے بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی نکلی ہے اسی سے بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی اِصطلاح ماخوذ ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ حدیثِ مبارکہ میں لغوی اور شرعی کی تقسیم کا ذکر نہیں ہے بلکہ حسنہ اور سیئہ کے الفاظ اِستعمال ہوئے ہیں۔ جیسے حدیث ''**نعم البدعة هذه**''(۱)

---

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹ ←

میں لفظِ ’’نعم‘‘ بدعتِ حسنہ کی طرف اور ’’من سنّ فی الاسلام سنة سیئة‘‘[1] میں لفظِ ’’سیئة‘‘ بدعتِ سیئۃ پر دال ہے لہٰذا جس کو وہ بدعتِ لغوی اور بدعت شرعی کہتے ہیں اسی کو جمہور ائمہ و محدّثین بدعتِ حسنہ اور بدعت سیئۃ کہتے ہیں۔ پس اگر بدعت لغوی اور شرعی کی تقسیم جائز ہے تو حسنہ اور سیئۃ کی تقسیم کیوں جائز نہیں اور اگر بدعت حسنہ اور سیئۃ کی تقسیم جائز نہیں تو لغوی اور شرعی کی تقسیم بھی جائز نہیں۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک ہر بدعت، بدعتِ ضلالہ ہے اگر اِن کی یہ بات مان لی جائے تو پھر لفظِ بدعت کے ساتھ لفظِ شرعی لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ مزید برآں اگر بدعت کی بدعتِ لغوی اور شرعی میں ہی تقسیم کرنی ہے تو پھر حدیث میں لفظ ’’نعم‘‘ کہاں جائے گا؟ کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں ’’نعم البدعة‘‘ یعنی اچھی بدعت۔ ان دلائل و اِشارات سے ثابت ہوتا ہے کہ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی تقسیم اَقرب الی متن الحدیث ہے۔ یعنی لفظِ ’’نعم‘‘ کو لفظِ حسنہ کے مترادف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی مزید تقسیم کی گئی ہے جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

.......۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳:۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۳۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۵۷۔۳۵۹

بدعتِ حسنہ کی اقسام

بدعتِ حسنہ کی مزید تین اقسام ہیں:

۱۔ بدعتِ واجبہ
۲۔ بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ)
۳۔ بدعتِ مباحہ

۱۔ بدعتِ واجبہ(Compulsory Innovation)

وہ کام جو اپنی ہیئت میں تو بدعت ہو لیکن اس کا وجود واجب کی طرح دین کی ضرورت بن جائے اور اسے ترک کرنے سے دین میں حرج واقع ہو جیسے قرآنی آیات پر اعراب، دینی علوم کی تفہیم کے لئے صرف و نحو کا درس و تدریس، اُصولِ تفسیر، اُصول حدیث، فقہ و اصولِ فقہ اور دیگر علوم عقلیہ وغیرہ کی تعلیم کا اہتمام، دینی مدارس کا قیام، درسِ نظامی کے نصابات ،ان کی اِصطلاحات اور اس کے علاوہ فِرقِ باطلہ (قدریہ، جبریہ، مُرجیہ، جہمیہ اور مرزائی وغیرہ) کا ردّ سب ''بدعاتِ واجبہ'' ہیں۔(۱)

۲۔ بدعتِ مستحبہ (مستحسنہ)(Recommendatory Innovation)

جو کام اپنی ہیئت اور اَصل میں نیا ہو لیکن شرعاً ممنوع ہو نہ واجب، بلکہ عام مسلمان اسے ثواب اور مستحسن اَمر سمجھ کر کریں بدعتِ مستحبہ کہلاتا ہے۔ اس کے نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا لیکن کرنے والے کو ثواب ملتا ہے جیسے مسافر خانے، مدارس کی تعمیر اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے نہیں تھی اس کا ایجاد کرنا ، جیسے نماز تراویح کی

(۱) ۱۔ شاطبی ،الاعتصام، ۲ : ۱۱۱
۲۔ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۱۴ : ۱۹۲
۳۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۱ : ۲۲

جماعت، تصوف و طریقت کے باریک مسائل کا بیان ، محافلِ میلاد، محافلِ عرس وغیرہ جنہیں عام مسلمان ثواب کی خاطر منعقد کرتے ہیں اوران میں شرکت نہ کرنے والا گناہگار نہیں ہوتا۔ (۱)

اُمت کی بھاری اکثریت کی طرف سے کیے جانے والے ایسے اَعمالِ حسنہ کے بارے میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا:

مارأہ المؤمن حسنا فھو عند اللہ حسن وما رأہ المؤمنون قبیحًا فھو عند اللہ قبیح۔(۲)

’’جس عمل کو (بالعموم) مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہےاور جس کومسلمان برا جانیں وہ اللہ کےنزدیک بھی برا ہے۔‘‘

۳۔ بدعتِ مباحہ (Permissible Innovation)

وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور جسے مسلمان صرف جائز سمجھ کر ثواب کی نیت کے بغیر اختیار کرلیں بدعتِ مباحہ کہلاتا ہے۔فقہاء نے فجر اورعصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے اورعمدہ لذیذ کھانے اور مشروبات کے اِستعمال کو’’بدعت مباحہ‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔ (۳)

---

(۱) ۱۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۱ : ۲۳
۲۔ وحید الزمان، ھدیۃ المھدی، ۱۱۷
(۲) ۱۔ بزار، المسند، ۵: ۲۱۳، رقم: ۱۸۱۶
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۷۹، رقم: ۳۶۰۰
۳۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۸۳، رقم: ۴۴۶۵
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۱۱۲، رقم: ۸۵۸۳
(۳) ۱۔ ابن حجر مکی، الفتاوی الحدیثیۃ: ۱۳۰
۲۔ وحید الزمان، ھدیۃ المھدی : ۱۱۷
۳۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۱ : ۲۳

بدعتِ سیئہ کی اقسام

بدعتِ سیئہ کی دو اقسام بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ بدعتِ محرمہ
۲۔ بدعتِ مکروہہ

۱۔ بدعتِ محرمہ (Forbidden Innovation)

وہ نیا کام جس سے دین میں تضاد، اختلاف اور انتشار واقع ہویا وہ نئے اُمور جو اُصولِ دین سے متخالف و متناقض ہوں مثلاً نئے مذاہب، جیسے قدریہ، جبریہ، مُرجیہ (اور آج کل مرزائی و قادیانی) وغیرہ کا وجود، جبکہ ان مذاہبِ باطلہ کی مخالفت ''بدعتِ واجبہ'' کا درجہ رکھتی ہے۔(۱)

۲۔ بدعتِ مکروہہ (Prohibited innovation)

جن نئے کاموں سے سنت موکدہ یا غیر موکدہ چھوٹ جائے۔ اس میں علماء متقدمین نے مساجد کی بلاضرورت اور فخریہ آرائش وتزئین وغیرہ کو شامل کیا ہے۔ (۲)

تقسیمِ بدعت پر اَحادیث نبوی سے اِستشہاد

اگر لفظِ بدعت اور اِحداث کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم نہ ہوتی اور اِن کا معنی ہی ضلالت و گمراہی ہوتا تو اِن اَلفاظ کی نسبت کبھی بھی اَعمالِ حسنہ اور اَفعالِ خیر کی طرف نہ کی جاتی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ الفاظ حضور علیہ السلام کے لیے استعمال کرتے۔ (۳)

(۱) ۱۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۱ : ۲۲
۲۔ وحید الزمان، ھدیة المھدی : ۱۱۷
(۲) ۱۔ ابن حجر مکی، الفتاوی الحدیثیة : ۱۳۰
(۳) تفصیلات کے لئے باب پنجم کی فصل اول ملاحظہ فرمائیں۔

تقسیمِ بدعت پر اِستدلال کے لیے حضور ﷺ کا درج ذیل فرمان نہایت اہم ہے جسے حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اُون کے کپڑے پہنے ہوئے کچھ دیہاتی حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان کی بدحالی اور ان کی ضرورت کو دیکھا تو لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ لوگوں نے کچھ دیر کی، جس سے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے، پھر ایک انصاری درہموں کی تھیلی لے کر حاضر ہوا، پھر دوسرا آیا اور پھر لانے والوں کا تانتا بندھ گیا، حتی کہ نبی اکرم ﷺ کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔ (۱)

''جس شخص نے مسلمانوں میں کسی ''نیک طریقہ'' کی ابتدا کی اور اس کے بعد

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۳۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔ ۳۵۹

۶۔ دارمی، السنن، ۱: ۱۴۱، رقم: ۵۱۴

۷۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۲: ۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳

۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۱۷۵، رقم: ۷۵۳۱

اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہو گی، اور جس شخص نے مسلمانوں میں کسی برے طریقے کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔''

امام مسلم (۲۶۱ھ) نے اس حدیثِ مبارکہ کا باب ''من سن سنة حسنة او سيئة'' قائم کیا ہے یعنی جس نے اچھی سنت اور بری سنت کا طریقہ وضع کیا۔ امام مسلم نے یہ باب قائم کر کے واضح کر دیا کہ یہاں پر لفظِ سنت سے مراد سنتِ رسول ﷺ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ جہاں بھی لفظِ سنت استعمال ہو وہاں اس سے مراد سنتِ رسول ﷺ، سنت صحابہ یا سنت خلفاء راشدین ہی ہو گا۔ اگر ایسا ہوتا تو امام مسلم کبھی بھی حضور ﷺ کی سنت کی نسبت ''سيئة'' کا لفظ استعمال نہ کرتے کیونکہ جو معروف اور متداول معنی میں سنت ہے وہ کبھی سيئة ہو ہی نہیں سکتی۔ حضور ﷺ کی سنت کو سیئۃ یا برا کہنے والا کافر ہے۔ حضور ﷺ کی سنت عین دین ہے اور بدعت اس کی مخالف اور ضد ہے لہٰذا **امام مسلم نے ''سنة حسنة'' اور ''سنة سيئة'' کی اصطلاح استعمال کر کے اپنا مذہب واضح کر دیا کہ یہاں سنت سے مراد سنتِ رسول نہیں بلکہ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئۃ ہے۔** بات واضح ہو گئی کہ زیرِ بحث حدیث مبارکہ میں لفظِ سنت اپنے شرعی معنی میں یعنی سنتِ رسول یا سنت خلفاء راشدین کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی عمل حضور ﷺ کی سنت پر مبنی ہو تو وہ کبھی سیئۃ ہو ہی نہیں سکتا اور جو عمل حضور ﷺ کی سنت نہیں بلکہ نیا عمل ہے تو وہ بدعت ہے کیونکہ بدعت کہتے ہی ''نئے کام'' کو ہیں۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس سے تو صرف ''سنت'' ہی مراد ہے بدعت مراد نہیں لی جا سکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) اگر اس سے مراد صرف ''سنت'' ہی ہوتا تو کیا وہاں ''حسنہ'' کہنے کی ضرورت تھی؟ کیا کوئی سنت غیر حسنہ بھی ہوسکتی ہے؟ دوسری

بات یہ ہے کہ عمل کرنے کے حوالے سے ''من عمل'' تو کہہ سکتے ہیں مگر ''من سن'' کہنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ جب سنت حضور ﷺ کی ہو تو پھر عام آدمی اس سے کیا ''راہ'' نکالے گا وہ تو صرف عمل اور اتباع کا پابند ہے پس ثابت ہوا کہ ''سن'' سے مراد نیا عمل اور بدعت ہے۔

علامہ نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:

حدیث ''کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة''(۱) میں عموم مراد نہیں ہے اور تخصیص کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے ''من سنّ فی الاسلام سنّة حسنة'' اس سے یہ ثابت ہوا کہ ''کل بدعة ضلالة'' میں بدعت سے مراد محدثات باطلہ اور بدعات مذمومہ ہیں۔ (۲)

جس طرح بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت لغوی اور بدعت شرعی، اسی طرح سنت کی بھی دو قسمیں ہیں، سنتِ شرعی اور سنتِ لغوی۔ سنتِ شرعی سے مراد سنتِ رسول اور سنت خلفاء راشدین ہے اور جو سنت شرعی نہیں صاف ظاہر ہے وہ سنت لغوی ہو گی۔ سنتِ لغوی سے مراد نیا کام، نیا عمل، کوئی نیا طریقہ اور نیا راستہ ہے۔ أئمہ اور محدثین نئے کام اور نئے عمل کو بدعت بھی کہتے ہیں اِس طرح آپ سنتِ لغوی کو بدعت لغوی بھی کہہ

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۲) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱: ۳۲۷

سکتے ہیں کیونکہ جو کام سنت نہیں صاف ظاہر ہے پھر وہ بدعت ہی ہو گا اور اسی بدعت کو مصطلحین نے حسنہ اور سیئۃ میں تقسیم کیا ہے۔

بدعت حسنہ کی اصل ’’سنة حسنة ‘‘ہے

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ’’مَنْ سَنَّ فِيْ الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً‘‘ یعنی جس کسی نے اسلام میں کسی ’’نیک طریقہ‘‘ کی ابتداء کی۔ اب یہاں مطابقت پیدا کرنے اور نفسِ مسئلہ کو سمجھنے کیلئے صحیح مسلم ہی کی دوسری حدیث ’’مَنْ اَحْدَثَ فی اَمْرِنَا هٰذَا‘‘ کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ ہر اِحداث ممنوع و مردود نہیں بلکہ صرف وہ اِحداث ممنوع ہو گا جس کی کوئی اصل یا نظیر دین میں نہ ہو۔

زیرِ بحث حدیثِ مبارکہ میں اس نئے راستے کو ’’سنة حسنة‘‘ کہا گیا ہے یعنی وہ راستہ تھا تو نیا مگر اپنے نئے پن کے باوجود اچھا تھا، بھلائی اور خیر کا راستہ تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نئے راستے کو جسے سنة حسنة کے ساتھ ساتھ دیگر اَحادیث مبارکہ میں سنة صالحة،[1] سنة خير،[2] سنةِ هدیٰ،[3] نعم البدعة[4] اور بدعة هدی[5] وغیرہ بھی کہا گیا ہے۔ شریعت اس نئے راستے یا طریقے کو اپنانے کے بارے میں کیا

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سنَّ فی الاسلام سنة حسنة او سيئة، ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۳

(۲) ترمذي، السنن، كتاب العلم، باب ما جاء فيمن دعا إلى هدى فاتبع او إلى ضلالة، ۵:۴۳، رقم: ۲۶۷۵

(۳) ابن عبد البر، التمهيد، ۲۴:۳۲۷

(۴) بخاری، الصحيح، ۲: ۷۰۷، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

(۵) مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، و من دعا إلى هدى او ضلالة، ۴:۲۰۶۰، رقم: ۲۶۷۴

راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس حوالے سے اسی حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا "**فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلاَ يَنْقُصُ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئٌ**"، ''اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہء اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہو گی''۔ اب اس حدیث کی رو سے اچھا نیا راستہ نکالنا بدعت حسنۃ ہو گیا، لہٰذا ثابت ہوا کہ بدعتِ حسنۃ کی اصل سنتِ حسنہ ہے کیونکہ ہر بدعت حسنۃ اپنی اپنی اصل میں سنت ہے۔ اسی طرح فرمایا گیا کہ جس نے مسلمانوں میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا جس نے وہ برا طریقہ ایجاد کیا۔ امام مسلمؒ کے مذہب، اس حدیث کے باب اور متنِ حدیث سے ثابت ہو گیا کہ سنت حسنۃ سے مراد بدعتِ حسنۃ ہے اور سنت سیئہ سے مراد بدعتِ سیئۃ ہے۔

امام مسلمؒ اسی باب میں دوسری سند کے ساتھ ایک اور حدیث بعض الفاظ کے تغیّر کے ساتھ لائے ہیں۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لاَ يَسُنُّ عَبْدٌ سُنَّةً صَالِحَةً يُعْمَلُ بِهَا بَعْدَهُ ثُمَّ ذَكَرَ تَمَامَ الْحَدِيْثِ۔(۱)

''جو شخص کسی نیک طریقہ کو ایجاد کرتا ہے جس پر اسکے کے بعد عمل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔''

اسی طرح **اِمام ابو القاسم ھبۃ اللہ اللالکائی** (۴۱۸ھ) حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سنَّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ او سیئۃ، ۴:۲۰۵۹، رقم:۲۶۷۳
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۶۰ رقم:۱۹۲۰۶

من سن سنة حسنة هدی فأُتبع عليها كان له أجره و مثل أجور من اتبعه غير منقوص من أجورهم شيء، و من سن سنة ضلالة فأُتبع عليها كان عليه وزره و مثل أوزار من اتبعه غير منقوص من أوزارهم شيء۔(۱)

''جس نے کسی ''نیک طریقہ'' کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس کا اسکو اجر ملے گا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہو گی، اور جس شخص نے کسی ''برے طریقہ'' کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اسے اسکا گناہ ملے گا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔''

اِمام ابنِ عبد البرؒ (۴۶۳ھ) نے بھی حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے جس میں ''سنة هدی'' اور ''سنة ضلالة'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

من سن سنة هدی فاتبع عليها كان له اجره او مثل اجر من منقوص من أجورهم شيئا و من سن سنة ضلالة فاتبع عليها كان عليه وزرها و مثل اوزار من منقوص من اوزارهم شيئا۔(۲)

''جس نے کسی ''اچھے طریقے'' کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس کا اس کو اجر ملے گا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں

(۱) ۱۔اللالكائی، إعتقاد اهل السنة، ۱: ۵۲، رقم: ۷
۲۔احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۲۰، رقم: ۱۰۷۵۹
(۲) ابن عبد البر، التمهيد، ۲۴: ۳۲۷

ہو گی، اور جس شخص نے کسی ''برے طریقے'' کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اسے اس کا گناہ ملے گا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔''

ان اَحادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ''سنة حسنة'' کے ساتھ ساتھ دوسری اصطلاحات ''سنة صالحة'' اور ''سنة هدى'' بھی استعمال فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے مختلف اَحادیث میں مختلف اِصطلاحات اس لیے استعمال فرمائی ہیں تاکہ یہ تصور واضح ہو جائے کہ لفظِ سنت ہر جگہ اپنے معروف اور متداول معنی میں نہیں بلکہ اس کے حسنہ اور سیّئہ ہونے کا اِنحصار اُس ''نئے کام'' پر ہے جس کی طرف اِس کی نسبت کی جا رہی ہے۔ نفسِ مسئلہ سے متعلق آخری حدیث جو **اِمام مسلمؒ** (۲۶۱ھ) نے اسی باب کے ذیل میں نقل کی ہے وہ درج ذیل ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، کَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ أُجُوْرِ مَنْ يَتَّبِعُهُ، لَا يُنْقِصُ ذٰلِکَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ، کَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ يَتَّبِعُهُ، لَا يُنْقِصُ ذٰلِکَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا۔(۱)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، و من دعا إلى هدى او ضلالة، ۴:۲۰۶۰، رقم: ۲۶۷۴

۲۔ترمذي، السنن، کتاب العلم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فيمن دعا إلى هدى فاتبع او إلى ضلالة، ۵:۴۳

۳۔ابو داؤد،السنن کتاب السنة، باب لزوم السنة، ۴:۲۰۱، رقم: ۴۶۰۹،

۴۔ابن ماجة،السنن،المقدمة، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۱:۷۵، رقم: ۲۰۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح باب ذکر الحکم فيمن دعا إلى هدى او ضلالة فاتبع عليه، ۱:۳۱۸، رقم: ۱۱۲

←

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہدایت کی طرف بلایا اس کے لئے اس راستے پر چلنے والوں کی مثل ثواب ہے اور ان کے ثواب میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا اور جس نے گناہ کی دعوت دی اس کے لئے بھی اتنا گناہ ہے جتنا اس بدعملی کا مرتکب ہونے والوں پر ہے اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔‘‘

جوڑوں (Pairs) کے نظام سے اِستدلال

اس حدیث اور اس سے قبل بیان کی گئی دیگر اَحادیثِ مبارکہ میں ایک قدرِ مشترک ہے اور ان میں باقاعدہ ایک منطقی ربط ہے وہ یہ کہ جس طرح کائنات کی ہر چیز میں جوڑا جوڑا ہوتا ہے اِسی طرح حضور علیہ السلام نے اصطلاحات (Terms) کے بھی متقابل جوڑے بیان فرمائے ہیں یعنی اگر اللہ کے نظامِ تخلیق اور نظامِ قدرت میں متقابل جوڑے مثلاً بیٹا بیٹی، عورت مرد، بھائی بہن، نر مادہ، اسی طرح اچھا برا، اونچا نیچا، امیر غریب، مشرق ومغرب، زمین و آسمان، ظاہر و باطن وغیرہ ہو سکتے ہیں تو پھر وہی جوڑا جوڑا بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں کیوں نہیں ہوسکتا ؟۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر چیز کو دُہرا دُہرا جوڑا اور دو دو کر کے بیان فرمایا ہے تو پھر بدعت کی تقسیم میں یہ جھگڑا کیوں کھڑا کر دیا جاتا ہے کہ اس کی تقسیم نہیں ہوسکتی، حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مقامات پر اَحادیثِ مبارکہ میں اصطلاحات کے متقابل جوڑے بیان کیے ہیں مثلاً تقسیمِ بدعت کے حوالے سے اِصطلاحات کے درج ذیل متقابل جوڑوں کو اَحادیثِ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے:

نعم البدعة [۱] ←→ بدعت ضلالة [۲]

...... ۶۔ دارمی، السنن، ۱: ۱۴۱، رقم: ۵۱۳

۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۹۷، رقم: ۹۱۴۹

۸۔ ابو عوانة، المسند، ۳: ۴۹۴، رقم: ۵۸۲۳

(۱) بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

(۲) ترمذی، السنن، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ۵: ۴۵، رقم: ۲۶۷۷

دعوتِ هُدًی [۳]	↔	دعوتِ ضلالة [۴]
سنة حسنة [۵]	↔	سنة سیئة [۶]
سنة هدیً [۷]	↔	سنة ضلالة [۸]
سنة صالحة [۹]	↔	سنة ضلالة [۱۰]
سنة خیر [۱۱]	↔	سنة شر [۱۲]

ان ساری تفصیلات سے ثابت ہوا کہ جوڑوں کے اس فطری نظام کو نہ ماننا اصل میں اللہ کے نظامِ تخلیق، نظامِ قدرت، نظامِ شریعت، نظامِ احکام اور نظامِ اجر وثواب کا انکار کرنا ہے۔

''مَنْ دَعَا اِلٰی ضَلاَلَة'' سے اِستدلال

جس طرح ''مَنْ دَعَا اِلَی هُدًی'' میں لفظِ ہدایت عام ہے اسی طرح ''من دعا

(۳) مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، و من دعا إلی هدی او ضلالة، ۴: ۲۰۶۰، رقم: ۲۶۷۴
(۴) ایضاً،
(۵) مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴
(۶) ایضاً،
(۷) ابن عبد البر، التمهید، ۲۴: ۳۲۷
(۸) ایضاً،
(۹) مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سنَّ فی الاسلام سنة حسنة او سیئة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۳
(۱۰) ابن عبد البر، التمهید، ۲۴: ۳۲۷
(۱۱) ترمذي، السنن، کتاب العلم، باب ما جاء فیمن دعا إلی هدی فاتبع او إلی ضلالة، ۵: ۴۳، رقم: ۲۶۷۵
(۱۲) ایضاً،

الی ضلالة‘‘ میں ضلالۃً کا کلمہ بھی عام ہے، لہٰذا اب کوئی بھی عمل جو گمراہی پر مبنی ہو وہ ضلالۃ ہوگا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف وہی اعمال جنہیں کتاب و سنت میں حرام کہا گیا ہے ضلالۃ شمار ہوں گے اور اس کے علاوہ بے شمار وہ اعمال جو دین میں نقصان کا باعث ہیں ،جو اَخلاق اور شرم و حیاء کے خلاف ہیں، جو عقائد و مذہب کے خلاف ہیں، جو معاشرتی اقدار کے خلاف ہیں ’’ضلالة‘‘ شمار نہیں ہوں گے ، بلکہ اس کے برعکس وہ تمام اعمال جن کے حرام ہونے کا اگرچہ کتاب و سنت میں ذکر نہ ہو لیکن وہ روحِ دین سے متناقض و متخالف ہوں ’’ضلالة‘‘ ہوں گے۔

زیر بحث حدیثِ مبارکہ میں ضلالة اور هُدی کے الفاظ باہم متقابل ہیں۔ اگر مفہومِ مخالف یعنی ضلالة کے مفہوم کو پہلے متعین کر لیا جائے تو اس کے بعد متقابل مفہوم خود بخود متعین ہو جائے گا، جیسے مسئلہ توحید اور شرک میں اگر توحید کا مفہوم پہلے متعین کر لیا جائے تو شرک کا مفہوم خود بخود واضح ہو جائے گا مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ غیر اﷲ کو وسیلہ بنانا شرک ہے تو سوال پیدا ہوگا کہ پھر کیا اﷲ کو وسیلہ بنایا جائے گا؟ اور اگر اﷲ کو وسیلہ بنایا جائے گا تو پھر اﷲ کس کے لیے وسیلہ ہوگا یعنی مقصود کون ہوگا؟ کیونکہ وسیلہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ یہ مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وسیلہ اﷲ کا حق نہیں بلکہ مخلوق کا حق ہے، لہٰذا مخلوق کو اگر اس کا حق دیا گیا تو وہ شرک کیسے ہوگیا؟ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دو چیزیں متقابل ہوں اور ان میں سے ایک کا مفہوم پہلے متعیّن کر لیا جائے تو دوسری کو سمجھنا اور اس کا اِطلاق کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم کی مذکورہ روایت میں ہم نے پہلے ’’من دعا الی ضلالة‘‘ کا مفہوم متعین کیا ’’من دعا الی هدًی‘‘ کا نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ’’هدًی‘‘ پر تو بحث اور اختلاف ہے۔کوئی کہہ سکتا کہ اس سے مراد صرف سنت ہے حالانکہ ہم سنت کے علاوہ بھی بے شمار اُمورِ خیر مراد لیتے ہیں، لہٰذا جو چیز بحث طلب ہے اس کا تعین تو نہیں ہوگا اور جس کا تعین آسان ہے اس کا کر لیا جائے۔ مذکورہ حدیث میں لفظِ ’’ضلالة‘‘ عام ہے جس کا اِطلاق ہر قسم کے ضلالات، سیّئات، قبیحات اور کریہات پر ہوتا ہے یعنی وہ نئے اُمور جو

محرّمہ ہوں یا مفضی اِلی الحرام یا اُمت کو گمراہی کی طرف لے جا رہے ہوں، سب ''ضلالۃ'' میں داخل ہوں گے لہٰذا جس طرح ضلالۃ کو عام اور وسیع تناظر میں لیا جائے گا اسی طرح اس کے متقابل ''من دعا الی ھدًی'' کے مفہوم کو بھی عام اور وسیع تناظر میں لیا جائے گا۔ یعنی ''ھُدًی'' سے مراد کتاب و سنت کے حکم کی طرف بلانا بھی ہے۔ اور ایسے بے شمار اعمالِ صالحہ کی طرف بھی جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی صریح حکم نہیں ملتا۔ جیسے اس طرح کے اُمورِ خیر کی طرف دعوت کہ جس سے لوگوں کے اَخلاق سنور جائیں اور رسول اللہ ﷺ سے ٹوٹا ہوا تعلق بحال ہو جائے، لوگوں کے اندر عبادت کا ذوق و شوق پیدا ہو جائے، چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کے ادب و اِحترام کا جذبہ پیدا ہو جائے، تلاوتِ قرآن اور صدقہ وخیرات کی ترغیب ملے، الغرض کوئی بھی خیر کا پہلو جو اُمت میں بہتری کا سبب بنے ''مَنْ دَعَا اِلَی ھُدًی'' میں شامل ہو گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحیح حدیث کی روشنی میں دونوں متقابل چیزوں کے راستوں کا کھلنا اور ان پر اَجر و گناہ، دونوں صورتوں میں متحقق ہوتے ہیں۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) اسی مفہوم کی ایک اور حدیث حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَنَّ سُنَّةَ خَيْرٍ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا، فَلَهُ أَجْرُهُ، وَ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنِ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا، وَ مَنْ سَنَّ سُنَّةَ شَرٍّ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ، وَ مِثْلُ أَوْزَارِ مَنِ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا۔(۱)

(۱) ۱۔ترمذي ، السنن، کتاب العلم ، باب ما جاء فیمن دعا إلی هدی فاتبع اوإلی ضلالة، ۵:۴۳، رقم: ۲۶۷۵
۲۔عسقلانی، فتح الباری، ۱۳:۳۰۲
۳۔مبارکپوری ، تحفة الأحوذی، ۷/۳۶۵
۴۔ابن حزم، المحلی، ۸/۱۶

’’جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا پھر اس پر عمل کیا گیا تو اس کے لئے اپنا ثواب بھی ہے اور اسے عمل کرنے والوں کے برابر ثواب بھی ملے گا۔ جبکہ انکے ثواب میں کوئی کمی (بھی) نہ ہوگی۔ اور جس نے برا طریقہ جاری کیا پھر وہ طریقہ اپنایا گیا تو اس کے لئے اپنا گناہ بھی ہے اور ان لوگوں کے گناہ کے برابر بھی جو اس پر عمل پیرا ہوئے۔ بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی ہو۔‘‘

یہ حدیثِ مبارکہ اِمام ترمذیؒ کتاب العلم میں **باب ماجاء فیمن دعا الی ھدیً فاتبع أو إلی ضلالة** کے ذیل میں لائے ہیں۔ سادہ سی بات ہے کہ اگر ’’**من دعا الی ھدیً**‘‘ کو سنت کے ساتھ مخصوص کر دینا ہوتا تو امام ترمذیؒ لفظِ ’’**ھدًی**‘‘ استعمال کرنے کی بجائے فقط ’’**سنة**‘‘ کا لفظ استعمال کرتے یعنی واضح طور پر کہہ دیتے کہ ہر وہ چیز جو حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کی سنت نہیں، وہ بدعت اور ضلالت و گمراہی ہے تو اس طرح ضلالت کے متقابل لفظِ سنت اور **ھدًی** ہوتے مگر چونکہ ایسا نہیں لہٰذا انہوں نے **ضلالة** کے مقابلے میں لفظ **ھدًی** استعمال کیا تا کہ اس میں اُمورِ سنت کے ساتھ ساتھ وہ اُمور بھی داخل ہو جائیں جو مبنی بر خیر اور تابع سنت ہیں۔ جس طرح سنتوں کو نفل، مستحبات، حسنات اور اعمالِ خیر بھی کہہ دیتے ہیں اسی طرح ’’**ھدًی**‘‘ میں سنت اور تابع سنت تمام امور آ جاتے ہیں۔ **امام مسلمؒ** (۲۶۱ھ) نے بھی امام ترمذیؒ کی طرح **باب من سن سنة حسنة أو سیئة و من دعا إلی ھدی أو ضلالةً** قائم کر کے اس کے ذیل میں **مَنْ دَعَا اِلی ھدًی** والی حدیث بیان کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ امام مسلمؒ کا بھی وہی مذہب ہے جو امام ترمذیؒ کا ہے۔

زیرِ بحث حدیثِ مبارکہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس طرح صحیح مسلم کی حدیث میں **سنة حسنة** اور **سنت سیئة** کی اِصطلاح اِستعمال ہوئی تھی اسی طرح ترمذی کی اس حدیث میں آقا ﷺ کی زبان پاک سے **سنة خیرٍ** اور **سنة شرٍّ** کی اِصطلاح استعمال ہوئی۔ یہاں سنت سے مراد سنتِ شرعی نہیں ہے بلکہ سنت لغوی ہے ورنہ یہ تقسیم نہ ہوتی کیونکہ سنت شرعی کبھی ’’ **شرّ** ‘‘ نہیں ہوسکتی وہ خیر ہی خیر ہوتی ہے، لہٰذا یہاں ’’**سنة خیر**‘‘

سے مراد کوئی نیا کام، کوئی اُسوہ اور کوئی اچھا طریقہ مراد ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جب سنت شرعی مراد نہ رہی تو نئے کام کی وجہ سے اسے بدعت کہیں گے دوسرے لفظوں میں اسے بدعت خیر اور بدعت شر بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور آنے والے زمانوں میں سنت خیر یا بدعت خیر کے اجراء اور پھر اس پر عمل کرنے والوں کو حضور ﷺ نے اجر کی نوید سنائی ہے کہ جس نے کوئی نیا کام کیا جو میری سنت میں نہیں تھا یعنی بدعت تھا مگر خیر اور بھلائی کا کام تھا اس کے لیے اجر ہے۔ اسی طرح اگر شر اور برائی کی بدعت کا آغاز کیا تو اس پر گناہ ہے۔ مختصر یہ کہ نصوصِ قطعیہ سے بدعت کی تقسیم ثابت ہوتی ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے فوراً بعد ''**باب ماجاء فی الاخذ بالسنة و اِجتناب البدعة**'' قائم کیا ہے۔ اس باب میں وہ سنت کے مقابلے میں **اجتناب عن البدعة** کی بحث لائے لہٰذا یہاں سنت سے مراد سنت شرعی اور بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہوگی۔ اَصل میں اِمام ترمذیؒ یہاں اوپر نیچے دو باب قائم کر کے اپنا علمی مسلک اور مذہب بیان کر رہے ہیں، پہلے اُنہوں نے ''**باب ما جاء فیمن دعا الی هدی فاتُّبِعَ أَوْ إِلی ضَلالَةٍ**'' قائم کیا اور اس کے فوراً بعد ''**باب ماجاء فی الاخذ بالسنة و اجتناب البدعة**'' قائم کیا۔ پہلے باب میں لفظ **هدًی** اور **ضلالة** میں وسعت اور تعمیم ہے جبکہ دوسرے باب میں چونکہ سنت کے متقابل لفظ بدعت ہے لہٰذا اس میں تخصیص اور تقیید ہے۔ یعنی سنت سے مراد سنت شرعی اور بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے۔ یعنی دو باب قائم کرنے کا مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ اِمام ترمذیؒ کے نزدیک ہر نیا کام سیئۃ اور ضلالۃ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دوسرے باب میں حدیث ''**فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین**'' کو ذکر کیا ہے جس کے مفہوم کو حضور ﷺ نے اپنی اور اپنے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کے ساتھ معین و محصور کر کے سنتِ شرعیہ قرار دے دیا لہٰذا جب سنت کا معنی متعین کر دیا تو اس کے متقابل اور متضاد بدعتِ سیئۃ ہوگی، اسی حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ایسی بدعات سیئات سے خبردار کرتے ہوئے ارشاد

فرمایا ''و إيّاكم و محدثاتِ الأمورِ فانّها ضلالةً''،[1] یعنی میرے امر کے خلاف جو محدثات الامور یعنی فتنہء ارتداد، فتنہ انکار زکوٰۃ، فتنہ ادعاء نبوت وغیرہ سر اٹھائیں انہیں چھوڑ دینا اور میری اور میرے صحابہ کی سنت کو مضبوطی سے تھام لینا۔ گویا یہاں پر حضور نبی اکرم ﷺ نے بدعت کے معنی کو اتنی بڑی شناخت کے ذیل میں ذکر کر کے اپنی اور خلفاء راشدین کی سنت کے متقابل ٹھہرایا۔ جب اس باب کو امام ترمذی نے الگ کر دیا تو باقی جتنے بھی نئے کام بچے ان کیلئے دونوں راستے کھول دیئے گئے، اسی لیے اس سے پچھلے باب کی حدیث میں حضور نبی اکرم ﷺ نے سنة خير اور سنة شر کے الفاظ استعمال کیے کہ اگر نئے امور نیکی، بھلائی اور خیر پر مبنی ہوں گے تو سنت حسنہ یا بدعتِ حسنہ ہوں گے اور اگر برائی، ضلالت اور گمراہی پر مبنی ہوں گے تو سنت سیئہ یا بدعت سیئہ ہوں گے۔

امام ترمذیؒ اس سے اگلے باب میں حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ أُمِيْتَتْ بَعْدِي، فَإِنَّ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلَ مَنْ عَمِلَ بِهَا، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لاَ تَرْضِى اللهَ وَرَسُوْلَهُ، كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، لَا

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة و اِجتناب البدع، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶
۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

يَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ أَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا۔(۱)

’’جس نے میرے بعد کوئی ایسی سنت زندہ کی جو مردہ ہو چکی تھی تو اس کیلئے بھی اتنا ہی اجر ہو گا جتنا اس پر دیگر عمل کرنے والوں کے لئے۔ اس کے باوجود ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور جس نے گمراہی کی بدعت نکالی جسے اللہ عزوجل اور اس کا رسول ﷺ پسند نہیں کرتے تو اس پر اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس برائی کا دیگر ارتکاب کرنے والوں پر ہے اور اس سے ان کے گناہوں کے بوجھ میں بالکل کمی نہیں آئے گی۔‘‘

اِس حدیثِ مبارکہ میں لفظِ سنت کو بدعت کے متقابل لایا گیا ہے۔ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ سنت ہر جگہ بدعت کے متقابل نہیں ہوتی لیکن جس حدیثِ مبارکہ میں تخصیص کے ساتھ سنت کو بدعت کے مقابلے میں لایا جائے تو وہاں سنت سے مراد سنتِ شرعیہ اور بدعت سے مراد بدعت شرعیہ ہوتی ہے۔ یہ ایسی بدعت ہوتی ہے جس کے کرنے سے کوئی نہ کوئی سنت ترک ہوتی ہے اس موقف کی تائید مسند احمد کی درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔(۲)

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ۵:۴۵، رقم: ۲۶۷۷
۲۔ ابن ماجة، السنن، المقدمة، باب مَن احیا سنّة قد امیتت، ۱:۷۶، رقم: ۲۰۹، بزار، المسند، ۸:۳۱۴، رقم: ۳۳۸۵
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۷:۱۶، رقم: ۱۰
۴۔ بیہقی، کتاب الإعتقاد، ۱:۲۳۱
۵۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۱:۴۹، رقم: ۹۷۔
(۲) احمد بن حنبل، المسند ۴:۱۰۵، رقم: ۱۷۰۹۵

''جب کوئی قوم دین میں بدعت کا آغاز کرتی ہے تو اس کے مثل ایک سنت اُٹھا لی جاتی ہے لہٰذا سنت کو مضبوطی سے پکڑنا، اِحداثِ بدعت سے بہتر ہے۔''

''بِدْعَة ضَلَالَةٍ'' فرمانے میں حکمت

زیرِنظر حدیثِ مبارکہ میں وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً فرمانے کی بجائے اِضافت کے ساتھ وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ فرمایا یعنی جس نے **گمراهی کی بدعت** ایجاد کی۔ اس سے قبل اس سے ملتی جلتی تراکیب سنة سيئة اور سنة شر کی صورت میں گزر چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر بدعت ''ضلالة'' نہیں ہوتی اگر ہر بدعت گمراہی کی بدعت ہوتی تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کبھی اضافت کے ساتھ یہ کلمہ نہ فرماتے۔ اگر بدعت کے معنی ہی ضلالت و گمراہی ہوتے تو کبھی بھی بدعةُ ضلالةٍ نہ فرمایا جاتا جیسے عبادة خیر، عبادة صالحہ اور صلاۃ خیر کی اصطلاح استعمال نہیں ہوتی کیونکہ جو کلمہ خود اپنے معنی میں واضح ہو اور اس میں تقسیم کی گنجائش نہ ہو یا اس کا مدمقابل کوئی نہ ہو تو اس میں اِضافت لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی البتہ بعض اوقات زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے مرکب توصیفی آ جاتا ہے لہٰذا جب "بدعةُ ضلالةٍ" فرمایا تو اس سے آپ ﷺ نے واضح کر دیا کہ میری مراد یہاں نیکی اور بھلائی کے نیک کام نہیں بلکہ برائی اور گمراہی کے کام ہیں۔ الغرض آپ ﷺ نے حدیث "کل بدعة ضلالة" کا مفہوم متعین فرما دیا کہ ہر بدعت گمراہی نہیں بلکہ صرف وہ بدعت گمراہی ہو گی جو مبنی بر ضلالت ہو گی۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ بدعتِ ضلالت ہمیشہ ''اماتتِ سنت'' کے مقابلے میں آتی ہے۔ اس سے کوئی نہ کوئی سنت متروک ہوتی ہے۔ اسی بدعت کے لئے فرمایا گیا کہ جس نے اس کے مقابلے میں سنت کو زندہ کیا اس کے لئے اجر ہے اور جس نے ایسی بدعت کی راہ نکالی جو سنت کے ترک کا باعث ہو تو وہ گمراہی ہے۔

اب اَربابِ فکر و دانش خود فیصلہ کریں کہ حضور ﷺ کی محفلِ میلاد، اولیاء اللہ کے لئے اِیصالِ ثواب، نمازوں کے بعد مصافحہ، اَذان کے بعد صلوۃ وسلام اور دیگر جمیع اُمورِ صالحات سے کون سی سنت متروک ہو رہی ہے، بلکہ یہ تو حضور ﷺ کی سنت پر مبنی

اعمال ہیں۔ اب ان تفصیلات سے بدعت ضلالۃ کا مفہوم متعین ہو گیا کہ آپ کسی عمل کو اس وقت تک بدعتِ سیئہ، بدعتِ ضلالہ اور بدعتِ شرعیہ نہیں کہہ سکتے جب تک اس کے متقابل کوئی سنت ثابت نہ ہو کہ اس عمل نے اس سنت کو متروک کر دیا ہے یا یہ بدعت اس سنت سے ٹکراتی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نئے کام پر **کل بدعة ضلالة** کا حکم نہیں لگایا جا سکتا لہٰذا اب اگر کوئی یہ کہے کہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہوتا ہے تو اس کے مقابلے میں کہا جائے گا کہ نہیں بلکہ **کل بدعة سيئة ضلالة** یعنی صرف بدعت سیئۃ باعث ضلالت ہو گی۔ اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ نے یہ معنی کہاں سے نکال لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے **من ابتدع بدعة ضلالة** میں بدعۃ ضلالۃ کو مضاف، مضاف الیہ کر کے اس معنی کو خود متعین فرما دیا ہے کہ کوئی عمل اس وقت تک بدعت ضلالۃ نہیں ہو گا جب تک وہ کسی خاص سنت کے ترک ہو جانے کا سبب نہ بنے۔

معروف اہلِ حدیث عالم **مولانا صدیق حسن خان بھوپالی** (۱۳۰۷ھ) بھی واضح طور پر لکھتے ہیں کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت متروک ہو اور جو نیا کام کسی امرِ شریعت سے متناقض نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے شیخ وحید الزماں (۱۳۲۷ھ) اپنی کتاب **هدية المهدى** کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضلالة المحرمة هى التى ترفع السنة مثلها والتى لا ترفع شيئا منها فليست هى من البدعة بل هى مباح الاصل۔(۱)

”بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔“

گویا بھوپالی صاحب نے ہر اُس نئے عمل کو بدعت ماننے سے اِنکار کر دیا ہے

(۱) وحید الزمان، ہدیۃ المہدی: ۱۱۷

جس کے مدّ مقابل کوئی خاص سنت ترک نہ ہو۔ اُنکے نزدیک ایسا ہر نیا عمل اپنی اصل میں مباح اور جائز ہے۔

اس حوالے سے ایک بہت اہم دلیل یہ ہے کہ وہ نیا کام جسے اُمت کی اکثریت اچھا سمجھ کر کر رہی ہو اور ان کرنے والوں میں صرف ان پڑھ دیہاتی لوگ اور عوام الناس ہی نہ ہوں بلکہ امت کے اکابر علماء، فقہاء، محققین اور مجتہدین بھی شامل ہوں تو وہ کام کبھی برا یعنی بدعتِ ضلالۃ نہیں ہوسکتا لہٰذا آقا علیہ السلام نے جمہور اُمت کا کسی کام کو کثرت کے ساتھ کرنا اسے دلیل شرعی بنا دیا یعنی جمہور امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔ اس کی دلیل مسند احمد بن حنبل کی درج ذیل روایت ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَوَجَدَ قَلبَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبادِ، فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ، فَابْتَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ، ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ، يُقَاتِلُوْنَ عَلَى دِيْنِهِ، فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ وَ مَا رَاَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ سَيِّئٌ ۔(۱)

”اللہ عزوجل نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو قلبِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پایا لہٰذا اِسے اپنی ذات کیلئے منتخب فرما لیا۔ پھر رسالت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کے بعد پھر لوگوں کے دلوں

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۷۹، رقم: ۳۶۰۰
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۱۱۲، رقم: ۸۵۸۳
۳۔ بزار، المسند، ۵: ۲۱۲، رقم: ۱۸۱۶
۴۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۸۳، رقم: ۴۴۶۵
۵۔ بیہقی، المدخل اِلی السنن الکبری، ۱: ۱۱۴
۶۔ طیالسی، المسند، ۱: ۳۳، الحدیث رقم: ۲۴۶

کی طرف نظر کی تو حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں کو تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پایا تو اُنہیں اپنے نبی کا وزیر بنا دیا جو اُس نبی کے دین کے لیے مقاتلہ کرتے ہیں۔ پس جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کام کو یہ برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے‘‘

زیر بحث موضوع پر مزید دلائل سے قبل مذکورہ حدیث مبارکہ میں ضمناً ایک بات کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد نبوت و رسالت ملی اور پھر نبوت و رسالت کے ذریعے آپ ﷺ کو اَوصافِ حسنہ سے نوازا گیا۔ یہ بات غلط ہے بلکہ ’’**فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ ﷺ خَيْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ فَابْتَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ**‘‘ کے الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو سب دلوں سے اچھے دل والا بعثت سے پہلے بنایا گیا یعنی شانِ محبوبیت پہلے دی گئی اور نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث بعد میں فرمایا گیا۔ نفسِ مضمون سے متعلقہ بات مذکورہ حدیث مبارکہ میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اعمالِ حسنہ اور اعمالِ قبیحہ کے تعیّن کے لئے یہ دلیل شرعی دے دی کہ مسلمان بالعموم جس کام کو اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کو یہ برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔ **اِمام طبرانیؒ** (۳۶۰ھ) المعجم الکبیر میں اس روایت کو درج ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ وَ مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنِ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ قَبِيْحٌ۔(۱)

’’جس کام کو مؤمنین اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کام کو

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۱۱۲، رقم: ۸۵۸۳
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۷۹، رقم: ۳۶۰۰
۳۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۸۳، رقم: ۴۴۶۵
۴۔ بیہقی، المدخل اِلی السنن الکبریٰ، ۱: ۱۱۴
۵۔ طیالسی، المسند، ۱: ۳۳، الحدیث رقم: ۲۴۶

مؤمنین برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔‘‘

اب یہاں پر قرآن و حدیث کی بات نہیں ہو رہی بلکہ ایک نئی دلیل دی جا رہی ہے کہ امتِ مسلمہ کی اکثریت کبھی قبیح کام پر متفق نہیں ہوسکتی۔ اس لئے فرمایا مسلمان جسے عام طور پر اچھا جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور مسلمان جسے برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔ یعنی مسلمانوں کا کسی چیز کو بالعموم اچھا جاننا شرعًا دلیل ہے۔ اس سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ اگر کوئی خاص عمل جو اپنی ہیئت کذائیہ میں نیا ہے۔ کتاب و سنت کی نصوص، عہدِ رسالتمآب اور عہدِ صحابہ میں ثابت نہیں مگر اُمتِ مسلمہ کی اکثریت اس کو اچھا جانتی ہے تو یہ بھی حسنہ ہے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ یہ کیسے حسنہ ہو گیا تو اس کا جواب مذکورہ روایت میں ہے کہ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ حسنہ ہے لہٰذا اگر اس کی ہیئت کذائیہ ثابت نہیں تو مذکورہ دلیل کی بنا پر اس کی اصل اور دلیل ثابت ہے جس کی وجہ سے وہ بدعتِ سیّئہ نہ رہی۔ اَب میلاد النبی ﷺ کی خوشی منانا اس میں ذکر و اَذکار، صلوۃ و سلام، نعت خوانی ان تمام اعمالِ حسنہ کی اصل مذکورہ روایت ہے۔ یہی روایت **امام بزارؒ** (۲۲۹ھ) نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: فَمَا رَآهُ الْمُؤْمِنُ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ وَ مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُوْنَ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ قَبِيْحٌ۔(۱)

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس (عمل) کو کوئی مومن اچھا جانے وہ (عمل) اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جسے تمام مومنین برا جانیں وہ خدا کے

(۱) ۱۔ بزار، المسند، ۵:۲۱۲، رقم: ۱۸۱۶
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹:۱۱۲، رقم: ۸۵۸۳
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱:۳۷۹، رقم: ۳۶۰۰
۴۔ حاکم، المستدرک، ۳:۸۳، رقم: ۴۴۶۵
۵۔ بیہقی، المدخل اِلی السنن الکبری، ۱:۱۱۴
۶۔ طیالسی، المسند، ۱:۳۳، الحدیث رقم: ۲۴۶

نزدیک بھی بُرا ہے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں بہت ہی اہم نکتہ بیان ہوا ہے کہ ہر وہ نیا کام جو مصلحتِ دینی پر مبنی ہو اور اسے کوئی مردِ مؤمن جو متقی، عالم، فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہدانہ بصیرت کا حامل بھی ہو، وہ اسے اچھا جانے تو وہ مباح اور جائز ہے۔ یعنی دلائلِ شرعیہ پر نظر رکھنے والا مردِ مومن کبھی بھی غیر شرعی اُمور کو جائز نہیں کہتا۔ اس حوالے سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث بھی نفسِ مضمون کو سمجھنے میں مدد دے گی جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا حَکَمَ الحَاکِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَان وَ اِذَا حَکَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهٗ اجْر۔(۱)

’’جب کوئی حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ کر دے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس سے غلطی ہو جائے تو بھی اس کے لئے ایک اجر ہے۔‘‘

(۱) ۱۔بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم اِذا اجتهد، ۶: ۲۶۷۶، رقم: ۶۹۱۹

۲۔مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیه، باب بیان اجر الحاکم اِذا اجتهد فأصاب او اخطأ، ۳: ۱۳۴۲، رقم: ۱۷۱۶

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی یُصیب ویخطیٰ، ۳: ۶۱۵، رقم: ۱۳۲۶

۴۔ابوداؤد،السنن، کتاب القضاء، باب فی القاضی یُخْطِی، ۳: ۲۹۹، رقم: ۳۵۷۴

۵۔ نسائی، السنن، کتاب آداب القضاۃ، باب الاصابة فی الحکم، ۸: ۲۲۳، رقم: ۵۳۸۱

۶۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأحکام، باب الحاکم یجتهد فیصیب الحق، ۲: ۷۷۶، رقم: ۲۳۱۴

یہ صرف مجتہد کی شان ہے کہ اس کا اجتہاد، اجتہادِ صحیح تھا مگر نتیجہ خطاء کی صورت میں نکلا تو اس کے لئے بھی اجر ہے۔ ایسے ہی مجتہد کے متعلق فرمایا گیا کہ مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ یعنی جس کو کوئی ایک مردِ مومن جو دلیلِ شرعی، تقوی اور صالحیت پر قائم رہنے والا ہو، اچھا جانتا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ لہٰذا کسی کام کو اچھا سمجھ کر قبول کرنے کے لئے تو ایک مردِ مومن کا اچھا سمجھنا بھی کافی ہے۔ لیکن اس کے برعکس کسی کام کو ضلالۃ، گمراہی اور مردود قرار دینے کے لئے فرمایا ''ما راٰہ المؤمنون قبیحًا فھو عِنْدَ اللهِ قَبِيْحٌ'' یعنی جس کو سارے مومن مل کر برا کہیں تب وہ اللہ کے ہاں برا ہوگا۔ کسی کام کو بدعتِ سیئہ قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ اُمت کی اکثریت اسے بدعتِ ضلالۃ اور بدعتِ قبیحہ سمجھے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ کسی کام کو اچھا سمجھنے کے لئے صرف ایک مردِ مومن کافی ہے۔ اس پر دلیل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل فرمانِ رسول ''مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُ حَسَنٌ فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ'' ہے اور فرمانِ رسول پر دلیل طلب کرنا کفر ہے۔ مگر اس کے باوجود سمجھانے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ اگر کوئی ایک مومن بھی کسی چیز کو حسن کہے تو وہ حسن کیوں ہے؟ اس لئے کہ یہاں مومن سے مراد'' مومنِ مجتہد'' ہے اور ایسے مومن کے لئے فرمایا گیا اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ کہ اگر مومنِ مجتہد خطاء بھی کر بیٹھے تو بھی اس کے لئے اجر ہے۔ چونکہ اس مومنِ مجتہد کا فیصلہ ہر صورت میں باعثِ اجر ہے اس لئے اس کو ''حسن'' فرمایا گیا۔ جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اس کو دیا جائے گا کیونکہ مومن سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسا عمل ایجاد کرے گا جو سنت فوت ہونے کہ باعث ہو کیونکہ اس کا ٹکراؤ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت سے نہیں ہے کیونکہ وہ خود بھی عامل بالسنۃ ہے۔ اس لئے جب وہ حکم دیتا ہے تو حسن ہوتا ہے لیکن کسی امر کو قبیح اور ضلالۃ کہنا بہت بڑی بات ہے اس لئے فرمایا مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ قَبِيْحٌ یہاں لفظِ ''مؤمنون'' جمع کا صیغہ استعمال کیا یعنی جس عمل کو کثرت سے مؤمنین قبیح کہیں وہ عند اللہ بھی قبیح ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جمہور اُمت کبھی ضلالت و قباحت پر جمع نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ اس کے پیچھے اُمت کی اکثریت اور اللہ کی نصرت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اُمت کی اسی اکثریت کو حدیث مبارکہ میں ''الجماعة''

اور ’’السواد الاعظم‘‘ کہا گیا ہے۔ جامع ترمذی میں کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي (أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شُذَّ إِلَى النَّارِ۔(۱)

’’اللہ تعالیٰ میری اُمت (یافرمایا: امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعت سے جدا ہوا وہ آگ میں ڈال دیا گیا۔‘‘

اِس حدیثِ مبارکہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سوفی صد افرادِ امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہونگے بلکہ اس سے مراد ہمیشہ اکثریت (Majority) ہوتی ہے کہ اُمت کی اکثریت کبھی ضلالۃ پر مجتمع نہیں ہوگی کیونکہ يَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ یعنی اللہ کی حفاظت کا ہاتھ ہمیشہ جماعت پر ہوتا ہے۔

امام ترمذیؒ اسی باب میں ایک اور حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمہور اُمت کے ساتھ رہنے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے فرقوں، مسلکوں اور گروہوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

علیکم بالجماعة و ایاکم والفرقة فان الشیطان مع الواحد وهو من الاثنین أبعد من اراد بحبوحة الجنة فلیلزم الجماعة۔(۲)

’’تم پر جماعت کے ساتھ ملے رہنا لازم ہے اور علیحدگی سے بچو کیونکہ شیطان

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة، ۴: ۴۶۶، رقم: ۲۱۶۷
۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۲۰۱، رقم: ۳۹۷
۳۔ مناوی، فیض القدیر، ۲: ۲۷۱

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم ←

ایک کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ دو آدمیوں سے دور رہتا ہے (لہٰذا) جو شخص جنت کا وسط (اعلیٰ درجات) چاہتا ہے اس کے لئے جماعت سے وابستگی لازمی ہے۔''

آپ ﷺ نے تلقین فرمائی کہ شیطان سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ فرقوں اور گروہوں کو چھوڑ کر جماعت کے ساتھ وآبستہ ہو جاؤ۔ جماعت اور سوادِ اعظم کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اثنان خير من واحد و ثلاثة خير من اثنين و اربعة خير من ثلاثة فعليكم بالجماعة فان الله لن يجمع امتى الا على هدى۔(۱)

''(کسی مسئلے پر) دو کا ایک کے مقابلے میں جمع ہونا بہتر ہے۔ اسی طرح تین دو کے مقابلے میں بہتر ہیں اور چار تین کے مقابلے میں۔ تم پر (اکثریتی) جماعت کی پیروی لازم ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ میری اُمت کو سوائے ہدایت کے کسی غلط بات پر جمع نہیں ہونے دے گا۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے تمثیل سے سمجھایا کہ دو کا اکٹھا ہونا ایک سے بہتر ہے۔ تین کا دو سے بہتر ہے اور چار کا تین سے بہتر ہے۔ یہ مثالیں دینے کے فوراً بعد فرمایا:

...... الجماعة، ۴:۴۶۵، رقم ۲۱۶۵

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۳۷۰، رقم: ۲۳۱۹۴

۳۔ بیہقی، السنن لکبری، ۵:۳۸۸، رقم: ۹۲۲۵

۴۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۴۸۸، رقم: ۱۱۰۸۵

۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵:۲۱۷

(۱) ۱۔احمد بن حنبل، المسند، ۵:۱۴۵، رقم: ۲۱۱۹۰

۲۔ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱:۱۷۷

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۴۵۷، رقم: ۳۷۱۹۲

۴۔ بیہقی، شعب الایمان، ٦: ٦٧، رقم: ۷۵۱۷

۵۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۴۲، رقم: ۸۵

علیکم بالجماعة گویا حضور ﷺ نے اکثریت کو جماعت کا درجہ دے دیا اور اُمت کو نصیحت کی کہ وہ سب سے بڑی جماعت کے ساتھ ہو جائیں۔ **امام حاکمؒ** (۴۰۵ھ) نے مستدرکِ اِمام حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا یَجْمَعُ اللهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ عَلَى الضَّلَالَةِ أَبَدًا وَ قَالَ: يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ ، فاتبعوا السواد الاعظم، فانه من شذّ شذّ فی النار۔(۱)

''اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی بھی گمراہی پر اکٹھا نہیں فرمائے گا اور فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے پس تم سوادِ اعظم کی اتباع کرو کیونکہ جو ان سے الگ ہوا گویا وہ آگ میں جا گرا۔''

اس حدیثِ مبارکہ نے بالکل واضح کر دیا اور تخصیص کر دی کہ اللہ کا دستِ حفاظت اس مسلک پر ہوگا جو سب سے بڑا مسلک یعنی سوادِ اعظم ہوگا تو گویا جس مسلک پر امت کی اکثریت قائل اور عامل ہوگی اس پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا ہاتھ ہوگا۔ اسی حوالے سے سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، كتاب العلم، ۱:۲۰۰، رقم: ۳۹۱

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعة، ۴: ۲۶۶، رقم: ۲۱۶۷

۳۔ نسائی، السنن، كتاب المحاربة، باب قتل من فارق الجماعة، ۷:۹۲، رقم: ۴۰۲۰

۴۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۷:۱۹۳، رقم: ۷۲۴۹

۵۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱:۱۸۶، رقم: ۴۸۹

انّ اُمّتی لا تجتمع علی ضلالة فاذا رائتم اختلافاً فعلیکم بالسواد الاعظم۔(۱)

''بیشک میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی پس جب تم اختلاف دیکھو تو تم پر سوادِ اعظم (اکثریتی جماعت) کے ساتھ رہنا لازم ہے۔''

اس حدیث مبارکہ میں بصورتِ اختلاف سوادِ اعظم کے ساتھ جڑے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سننِ ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب افتراق الامم میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَ الَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِیُ عَلٰی ثَلَاثٍ وَ سَبْعِیْنَ فِرْقَةً وَاحِدَةً فِی الْجَنَّةِ وَ ثِنْتَانِ وَ سَبْعُوْنَ فِی النَّارِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللهِ مَنْ هُمْ قَالَ الْجَمَاعَةُ۔(۲)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ جن میں سے ایک جنت اور بہتر جہنم میں ہوں گے۔

(۱) ۱۔ابن ماجه، السنن، کتاب السنن، باب السوا والاعظم ۲: ۱۳۰۳، رقم: ۳۹۵۰
۲۔ابن حمید، المسند، ۱: ۳٦۷، رقم: ۱۲۲۰
۳۔دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۴۱۱، رقم: ۱٦٦۲
۴۔ابونعیم اصفہانی، حلیة الاؤلیاء، ۹: ۲۳۸
۵۔ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۲: ۱۹٦
(۲) ۱۔اِبنِ ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب اِفتراق الاُمم، ۲: ۱۳۲۲، رقم: ۳۹۹۲
۲۔ابن أبی عاصم، السنه، ۱: ۲۳، رقم: ۳٦
۳۔طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۷۰، رقم: ۱۲۹
۴۔اللالکائی، إعتقاد اهل السنة، ۱: ۱۰۱، رقم: ۱۴۹

صحابہ ﷡ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ جنتی کون ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! جو جماعت کو پکڑے رہیں گے۔‘‘

سننِ ابن ماجہ کی اس روایت میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک پیمانہ (criterion) مقرر فرما دیا کہ اُمت کی اکثریت جن عقائد کو اپنائے گی وہ صحیح ہوں گے۔ لہٰذا بڑے مسلک یعنی سوادِ اعظم کے ساتھ جڑے رہنا لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج جو اعمال امت کی اکثریت میں رائج ہیں انہیں بدعتِ ضلالہ اور گمراہی کہا جاتا ہے حالانکہ چند خاص طبقات کو چھوڑ کر پورا عالمِ عرب اہلِ سنت و جماعت کے طریقے پر عامل ہے۔ مراکش، سوڈان، الجزائر، ترکی، یونان، ایران، عراق، فسلطین، اُردن، شام اور مصر کے عوام کی بھاری اکثریت اہلِ سنت کے طور طریقوں، شعائر اور کلچر پر عامل ہے۔ اگرچہ مختلف ممالک میں ادائیگی کے طریقے ذرا مختلف ہیں مگر بنیادی عقائد ایک ہی ہیں۔ المختصر یہ کہ یہ تمام بنیادی عقائد جن کو بعض لوگ تقسیم بدعت کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے بدعتِ ضلالہ، گمراہی اور شرک وغیرہ کہتے ہیں، جمہور اُمت انہیں مباح اور جائز سمجھتی ہے کیونکہ فرمانِ رسول ’’اِنَّ اُمتی لا تجتمع علی الضلالۃ‘‘ کے مطابق اُمت کی اکثریت کبھی گمراہ نہیں ہوسکتی، لہٰذا ان کے عقائد اُقرب الی الکتاب و سنۃ ہیں اور انہیں ضلالۃ و گمراہی کہنا بذات خود جہالت و گمراہی ہے۔

تقسیمِ بدعت پر معروف کتب کی فہرست

بدعت کی اقسام اور تفصیلات کو متعدد ائمہ حدیث اور فقہاء نے اپنی کتب میں اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے جن میں سے چند معروف کتب کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ **الجامع لأحکام القرآن**، از امام قرطبی (۳۸۰ ھ)، ۲: ۸۷

۲۔ **شعب الایمان**، از اِمام بیہقی (۴۵۸ ھ)، ۳: ۱۷۷

۳۔ **المدخل الی السنن الکبری**، از امام بیہقی (۴۵۸ھ)، ۱: ۲۰۶

۴۔ **احیاء العلوم الدین**، از امام غزالی (۵۰۵ ھ)، ۲: ۳

۵۔ **النهاية فی غريب الحديث والأثر**، از ابن اثیر جزری (۶۰۶ھ)، ۱:۱۰۶

۶۔ **قواعد الاحکام فی مصالح الانام**، از عزالدین بن عبدالسلام (۶۶۰ھ)، ۲:۱۷۳

۷۔ **تہذیب الاسماء واللغات**، از امام نووی (۶۷۶ھ)، ۳:۲۲

۸۔ **انوار البروق فی انوار الفروق**، از امام قرافی (۶۸۴ھ)، ۴:۲۰۲

۹۔ **لسان العرب**، از ابن منظور افریقی (۷۱۱ھ)، ۸:۶

۱۰۔ **منہاج السنہ**، از امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)، ۴:۲۲۴

۱۱۔ **سیر اعلام النبلاء**، از امام ذھبی (۷۴۸ھ)، ۸:۴۵۸

۱۲۔ **تفسیر القرآن العظیم**، از ابن کثیر (۷۷۴ھ)، ۱:۱۶۱

۱۳۔ **الاعتصام**، از امام شاطبی (۷۹۰ھ)، ۲:۱۱۱ - ۱۱۵

۱۴۔ **المنثور فی القواعد**، از امام زرکشی (۷۹۴ھ)، ۱:۲۱۷

۱۵۔ **جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**، از ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ): ۱۶۰

۱۶۔ **الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری**، از علامہ کرمانی (۷۹۶ھ)، ۹:۱۵۴

۱۷۔ **اکمال اکمال المعلم**، از علامہ وشتانی مالکی (۸۲۸ھ)، ۳:۲۳

۱۸۔ **فتح الباری** از ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)، ۴:۲۵۳

۱۹۔ **عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری** از علامہ عینی (۸۵۵ھ)، ۱۱:۱۲۶

۲۰۔ **مکمل اکمال المعلم**، از علامہ سنوسی مالکی (۸۹۵ھ)، ۳:۲۳

۲۱۔ **القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع**، از امام سخاوی (۹۰۲ھ): ۱۹۲

۲۲۔ **فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث**، از امام سخاوی (۹۰۲ھ)، ۲:۲۷

۲۳۔ **حسن المقصد فی عمل المولد**، از امام سیوطی (۹۱۱ھ) : ۵۱
۲۴۔ **الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج**، از امام سیوطی (۹۱۱ھ)، ۲: ۴۴۵
۲۵۔ **تنویر الحوالک شرح مؤطا مالک**، از امام سیوطی (۹۱۱ھ)، ۱: ۱۰۵
۲۶۔ **الحاوی للفتاوی**، از امام سیوطی (۹۱۱ھ)، ۱: ۱۹۲-۱۹۳
۲۷۔ **سبل الھدی والرشاد**، از علامہ صالحی شامی (۹۱۱ھ)، ۱: ۳۷۰
۲۸۔ **ارشاد الساری لشرح صحیح بخاری** از امام قسطلانی (۹۲۳ھ)، ۳: ۴۲۶
۲۹۔ **الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الأکابر**، از علامہ شعرانی (۹۷۳ھ)، ۲: ۲۸۸
۳۰۔ **فتاویٰ الحدیثیہ**، از ابن حجر مکی (۹۷۴ھ) : ۱۳۰
۳۱۔ **مرقاۃ المفاتیح**، از ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)، ۱: ۲۱۶
۳۲۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**، از علامہ مناوی (۱۰۳۱ھ)، ۱: ۴۳۹
۳۳۔ **سیرت حلبیہ** از علامہ حلبی (۱۰۴۴ھ)، ۱: ۱۳۶
۳۴۔ **أشعۃ اللمعات**، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)، ۱: ۱۲۵
۳۵۔ **درّ مختار علی ہامش الرد**، از علامہ حصکفی (۱۰۸۸ھ)، ۱: ۳۶۲
۳۶۔ **شرح الموطا**، از امام زرقانی (۱۱۲۲ھ)، ۱: ۲۳۸
۳۷۔ **تاج العروس من جواہر القاموس**، از مرتضی زبیدی (۱۲۰۵ھ)، ۱۱: ۹
۳۸۔ **حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح**، از امام طحطاوی (۱۲۳۱ھ) : ۱۱۴
۳۹۔ **ردالمحتار شرح درالمختار**، از علامہ شامی (۱۲۵۲ھ)، ۱: ۵۲۴
۴۰۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار**، از علامہ شوکانی (۱۲۵۵ھ)، ۳: ۳۲۵
۴۱۔ **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم**، از علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ)، ۲۷: ۱۹۲

۴۲۔ **ھدیۃ المھدی**، از شیخ وحید الزماں (۱۳۲۷ھ): ۱۱۷

۴۳۔ **عون المعبود شرح سنن أبی داؤد**، از عظیم آبادی (۱۳۲۹ھ)، ۱۲: ۲۳۵

۴۴۔ **مجمع بحار الانوار**، از علامہ طاہر پٹنی، ۱: ۸۰

۴۵۔ **حواشی الشروانی**، علامہ شروانی، ۱۰: ۲۳۵

۴۶۔ **تحفۃ الاحوذی**، علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ)، ۷: ۳۶۶

۴۷۔ **فتح الملہم شرح صحیح مسلم**، از شیخ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)، ۲: ۴۰۶

۴۸۔ **مغنی المحتاج إلی معرفۃ معانی الفاظ المنھاج**، از امام شربینی، ۴: ۴۳۶

۴۹۔ **أوجز المسالک الی مؤطا مالک**، از علامہ زکریا کاندھلوی (۱۴۰۲ھ)، ۲: ۲۹۷

۵۰۔ **فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء**، از ابن باز (۱۴۲۱ھ)، ۲: ۳۲۵

۵۱۔ **مفاھیم یجب ان تصحح**، از شیخ علوی مالکی (۱۴۲۵ھ)، ۱۰۲-۱۰۶

خلاصۂ بحث

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر عمل کو اس ڈھب پر اور اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا جاتا کہ یہ عمل حضور ﷺ کے زمانے میں ہوتا تھا یا نہیں اور بعد میں کب شروع ہوا بلکہ اس کو پرکھنے کے لئے ہمیں یہ اَمر ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا کہ کسی عمل کی ہیئت کبھی رسم و رواج پر منحصر ہوتی ہے اور کبھی وقت کی ضرورتوں اور تقاضوں پر مبنی ہوتی ہے۔ کبھی اس کام میں کئی حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں اور کبھی کئی مصلحتیں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔

غور و فکر کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا اس نئے کام کی کوئی اصل قرآن و سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کا کوئی ثبوت قرآن وسنت میں موجود ہے؟ یا پھر وہ کام اس لئے بھی قابل مذمت ٹھہرتا ہے کہ اس سے کسی واجب، سنت یا مستحب وغیرہ پر اثر پڑتا ہے یا اس کا ان کے ساتھ اختلاف یا تعارض رونما ہوتا ہے۔

اگر کسی عمل کی اصل قرآن حکیم یا سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہو جائے تو پھر وہ طعن و تشنیع اور گمراہی یا گناہ وغیرہ کا باعث نہیں رہتا اور اگر بفرض محال قرآن و سنت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ثابت نہ بھی ہو لیکن اس سے قرآن و سنت کی مخالفت نہ ہوتی ہو تو پھر بھی وہ کسی قسم کی قباحت کا باعث نہیں بنتا اور نہ ہی اس پر طعن و تشنیع جائز ہے ہاں صرف اس صورت میں کوئی بدعت ناجائز اور قبیح کے زمرے میں شامل ہو کر قابل مذمت ٹھہرے گی جب قرآن و سنت پر پرکھنے کے بعد یہ ثابت ہو جائے کہ یہ قرآن و سنت کی فلاں نص کے خلاف ہے یا شریعت کے فلاں حکم کی مخالفت میں ہے۔

بدعت کا معنی و مفہوم واضح کرتے ہوئے اِس پر بار بار زور دیا جا چکا ہے کہ **کوئی بھی نیا کام اس وقت ناجائز اور حرام قرار پاتا ہے جب وہ شریعتِ اسلامیہ کے کسی حکم کی مخالفت کر رہا ہو اور اسے ضروریاتِ دین سمجھ کر قابل تقلید ٹھہرا لیا جائے یا پھر اسے ضروریاتِ دین شمار کرتے ہوئے اس کے نہ کرنے والے کو گناہگار اور کرنے والے کو ہی مسلمان سمجھا جائے، تو اس صورت میں بلاشبہ جائز اور مباح بدعت بھی ناجائز اور قبیح بن جاتی ہے اور اگر جائز اور مستحسن بدعت میں ناجائز امور کو شامل کر دیا جائے جن کی رو سے روحِ اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہو تو بلاشبہ وہ بدعت بھی قابلِ مذمت ہو گی اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اسے ہدفِ تنقید و تنقیص بنانے کا کوئی جواز نہیں۔**

باب: ۱۰

بدعت

ائمہ و محدّثین کی نظر میں

فہرست ائمہ و محدّثین

۱۔ امام محمد بن اِدریس بن عباس الشافعیؒ (۲۰۴ھ)

۲۔ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ (۳۸۰ھ)

۳۔ امام علی بن احمد ابن حزم الاندلسیؒ (۴۵۶ھ)

۴۔ امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ (۴۵۸ھ)

۵۔ امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ (۵۰۵ھ)

۶۔ امام مبارک بن محمد ابن اثیر الجزریؒ (۶۰۶ھ)

۷۔ امام عزالدین بن عبد السلام الشافعیؒ (۶۶۰ھ)

۸۔ امام ابو زکریا محی الدین بن شرف النوویؒ (۶۷۶ھ)

۹۔ امام شہاب الدین احمد القرافی المالکی (۶۸۴ھ)

۱۰۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقیؒ (۷۱۱ھ)

۱۱۔ علامہ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابنِ تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

۱۲۔ امام حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)

۱۳۔ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ (۷۹۰ھ)

۱۴۔ امام بدر الدین محمد بن عبداللہ الزرکشیؒ (۷۹۴ھ)

۱۵۔ امام عبدالرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب **الحنبلی**ؒ (۷۹۵ھ)

۱۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانیؒ (۷۹۶ھ)

۱۷۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی المالکیؒ (۸۲۸ھ)

۱۸۔ امام ابوالفضل احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)

۱۹۔ امام ابو محمد بدرالدین محمود العینیؒ (۸۵۵ھ)

۲۰۔ امام محمد بن عبدالرحمٰن شمس الدین محمود السخاویؒ (۹۰۲ھ)

۲۱۔ امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابو بکر السیوطیؒ (۹۱۱ھ)

۲۲۔ امام ابو العباس احمد بن محمد شہاب الدین القسطلانیؒ (۹۲۳ھ)

۲۳۔ امام ابو عبداللہ محمد بن یوسف صالحی الشامیؒ (۹۴۲ھ)

۲۴۔ امام عبدالوھاب بن احمد علی الشعرانیؒ (۹۷۳ھ)

۲۵۔ امام احمد شہاب الدین ابن الحجر المکی الہیتمیؒ (۹۷۴ھ)

۲۶۔ الشیخ محمد شمس الدین الشربینی الخطیبؒ (۹۷۷ھ)

۲۷۔ امام ملا علی بن سلطان محمد القاریؒ (۱۰۱۴ھ)

۲۸۔ الشیخ عبدالحمید الشروانیؒ (ھ)

۲۹۔ امام عبدالرؤوف زین الدین المناوی الشافعیؒ (۱۰۳۱ھ)

۳۰۔ اِمام علی بن برہان الدین حلبیؒ (۱۰۴۴ھ)

۳۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ)

۳۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفیؒ (۱۰۸۸ھ)
۳۳۔ امام ابو عبداللہ محمد عبدالباقی الزرقانی المالکیؒ (۱۱۲۲ھ)
۳۴۔ علامہ مرتضیٰ حسینی الزبیدی **الحنفی**ؒ (۱۲۰۵ھ)
۳۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ)
۳۶۔ شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ (۱۲۵۵ھ)
۳۷۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)
۳۸۔ مولانا احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ)
۳۹۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (۱۳۰۷ھ)
۴۰۔ مولانا وحید الزمان (۱۳۲۷ھ)
۴۱۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ)
۴۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)
۴۳۔ مولانا محمد زکریا کاندھلوی (۱۴۰۲ھ)
۴۴۔ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (۱۴۲۱ھ)
۴۵۔ الشیخ محمد بن علوی المالکی المکیؒ (۱۴۲۵ھ)

۱۔ اِمام محمد بن اِدریس الشافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ)

اُصولِ دین اور اُصولِ شرعیہ میں بدعت کی تقسیم کو سب سے پہلے متعارف کروانے والے اِمام شافعیؒ ہیں۔ **امام بیہقیؒ** (۴۵۸ھ) نے اپنی سند کے ساتھ ’’**مناقبِ شافعی**‘‘ میں روایت کیا ہے کہ امام شافعیؒ بدعت کی تقسیم اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

المحدثات من الأمور ضربان: أحدهما ما أحدث مما يخالف كتاباً أوسنة أو اثرًا أو إجماعاً فهذه البدعة ضلالة، و الثانية ما أحدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا فهذه محدثة غير مذمومة، قد قال عمر رضی اللہ عنہ في قيام رمضان نعمت البدعة هذه(۱) يعنی إِنَّهَا محدثة لم تكن و إِذا كانت ليس فيها ردٌّ لما مضی۔(۲)

’’محدثات میں دوقسم کے اُمور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے اُمور ہیں جو قرآن و سنت یا آثارِ صحابہ یا اِجماعِ اُمت کے خلاف ہوں وہ بدعتِ ضلالہ

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱:۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بیہقی، شعب الايمان، ۳:۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سیوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱:۱۰۵، رقم: ۲۵۰
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱:۲۶۶
۵۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك، ۱:۳۴۰
(۲) ۱۔ بیہقی، المدخل الی السنن الكبریٰ، ۱: ۲۰۶
۲۔ ذہبی، سير أعلام النبلاء، ۸: ۴۰۸
۳۔ نووی، تهذيب الأسماء واللغات، ۳: ۲۱

کے زُمرے میں آتے ہیں، اور دوسری قسم میں وہ نئے اُمور ہیں جن کو بھلائی اور خیرخواہی کے لیے انجام دیا جائے درآنحالیکہ کوئی ان میں سے کسی (امرِ شریعت) کی مخالفت نہ کرتا ہو پس یہ اُمور یعنی نئے کام محدثه غیر مذمومۃ کے ذیل میں آتے ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا کہ ”یہ کتنی اچھی بدعت ہے“ یعنی یہ ایک ایسا محدثہ ہے جو پہلے نہ تھا اور اگر یہ پہلے ہوتا تو پھر مردود نہ ہوتا۔“

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) اپنی کتاب جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم میں تقسیمِ بدعت کے تناظر میں اِمام شافعیؒ کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

وقد روى الحافظ أبو نعيم بإسناد عن إبراهيم ابن الجنيد قال: سمعت الشافعي يقول: البدعة بدعتان: بدعة محمودة و بدعة مذمومة، فما وافق السنة فهو محمود، وما خالف السنة فهو مذموم. واحتجّ بقول عمر رضی اللہ عنہ: نعمت البدعة هي.(۱) و مراد الشافعي رضی اللہ عنہ ما ذكرناه من قبل أن أصل البدعة المذمومة ما ليس لها أصل في الشريعة ترجع إليه و هي البدعة في إطلاق الشرع. وأما البدعة المحمودة فما وافق السنة: يعني ما كان لها أصل من السنة ترجع إليه، و إنما هي بدعة لغة لا شرعا لموافقتها السنة. وقد روى عن الشافعي كلام آخر يفسر هذا و أنّه قال:

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۲۔بخاری، الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

۳۔ بیہقی، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۴۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

المحدثات ضربان:ما أحدث مما يخالف كتابا أو سنة أو أثرا أو إجماعا فهذه البدعة الضلالة، وما أحدث فيه من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا و هذه محدثة غير مذمومة، و كثير من الأمور التى أحدثت ولم يكن قد اختلف العلماء فى أنها بدعة حسنة حتى ترجع إلى السنة أم لا. فمنها كتابة الحديث نهى عنه عمر وطائفة من الصحابة و رخص فيها الأكثرون واستدلوا له بأحاديث من السنة. ومنها كتابة تفسير الحديث والقرآن كرهه قوم من العلماء و رخص فيه كثير منهم. وكذلک اختلافهم فى كتابة الرأى فى الحلال والحرام و نحوه. و فى توسعة الكلام فى المعاملات و أعمال القلوب التى لم تنقل عن الصحابة والتابعين.(۱)

’’حافظ ابو نعیم نے ابراہیم بن جنید کی سند سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ بدعت محمودہ

۲۔ بدعت مذمومہ

بدعتِ محمودہ وہ بدعت ہے جو سنت کے مطابق و موافق ہو اور جو بدعت سنت کے مخالف و متناقض ہو وہ مذموم ہے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول (نعمت البدعة هذه) سے اِستدلال کیا ہے اور امام شافعیؒ کی مراد بھی یہی ہے جو ہم نے اس سے پہلے بیان کی ہے۔ بے شک بدعت مذمومہ وہ ہے جس کی کوئی اصل اور دلیل شریعت میں نہ ہو جس کی طرف یہ لوٹتی ہے۔ اسی پر بدعتِ شرعی کا اِطلاق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بدعتِ محمودہ وہ بدعت ہے جو سنت کے موافق ہو یعنی شریعت میں اس کی اَصل ہو جس کی طرف یہ لوٹتی ہو یہی

(۱) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم و الحکم: ۲۵۳

بدعت لُغوی ہے شرعی نہیں۔ اس کی وضاحت میں اِمام شافعیؒ سے دوسری دلیل یہ ہے کہ محدثات کی دو اقسام ہیں۔ پہلی وہ بدعت جو کتاب وسنت، آثارِ صحابہ اور اِجماعِ اُمت کے خلاف ہو یہ بدعت ضلالہ ہے اور ایسی ایجاد جس میں خیر ہو اور وہ ان چیزوں (یعنی قرآن وسنت، اثر اور اجماع) میں سے کسی کے خلاف نہ ہو تو ایسی بدعت، بدعتِ غیر مذمومہ ہے اور بہت سارے اُمور ایسے ہیں جو ایجاد ہوئے جو کہ پہلے نہ تھے، ان میں علماء نے اختلاف کیا کہ کیا یہ بدعت حسنہ ہیں یا نہیں اور یہ سنت کی طرف لوٹتے ہیں یا کہ نہیں۔ اور ان اُمور میں سے ایک کتابتِ حدیث ہے جس سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کے ایک گروہ نے منع کیا ہے جبکہ اکثر نے اس کی اجازت دی اور اِستدلال کے لیے انہوں نے کچھ اَحادیث پیش کی ہیں اور بدعاتِ حسنہ میں سے قرآن اور حدیث کی تفسیر وتشریح کرنا بھی ہے جسے قوم کے کچھ علماء نے ناپسند کیا ہے اور ان میں سے کثیر تعداد میں علماء نے اس کی اِجازت دی ہے۔ اسی طرح حلال و حرام اور اس جیسے معاملات میں اپنی رائے سے لکھنے میں علماء کا اِختلاف ہے اور اسی طرح معاملات اور دل کی باتیں جو کہ صحابہ اور تابعین سے صادر نہ ہوئی ہوں ان کے بارے میں گفتگو کرنے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔''

اِن تمام تفصیلات سے یہ اَمر واضح ہوگیا کہ اِمام شافعیؒ نے ''کل بدعة ضلالة'' کے مفہوم کو بعض اُمور سے مختص (Specify) اور مشروط کر دیا۔ اِن کے نزدیک صرف وہ بدعت، بدعتِ ضلالة ہوگی جو چار چیزوں یعنی قرآن، حدیث، آثارِ صحابہ اور اِجماعِ اُمت کی مخالف ہو اور جو اِن چار چیزوں کی اُصولی طور پر مخالف نہ ہو وہ محدثہ غیر مذمومہ یعنی بدعتِ حسنہ ہو گی۔ مزید برآں اِمام شافعیؒ نے بدعت کی اِس تقسیم کی بنیاد حدیثِ بخاری نعم البدعة هذه[1] پر رکھی۔

(۱) ا۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

←

۲۔ اِمام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ (المتوفی ۳۸۰ھ)

معروف مفسرِ قرآن اِمام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبیؒ بدعت کی مختلف اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر ”الجامع لاحکام القرآن،، جسے عرفِ عام میں تفسیر قرطبی کہتے ہیں، میں فرماتے ہیں:

كل بِدعة صدرت من مخلوق فلا يخلو أن يكون لها أصل في الشرع أولا؛ فإن كان لها أصل كانت واقعة تحت عموم ما ندب الله إليه و حضّ رسوله عليه؛ فهي في حيّز المدح. وإن لم يكن مثاله موجودا كنوع من الجود والسخاء و فعل المعروف؛ فهذا فعله من الأفعال المحمودة، وإن لم يكن الفاعل قد سبق إليه. و يَعْضُدُ هذا قول عمر رضی اللہ عنہ: نعمت البدعة هذه؛ لما كانت من أفعال الخير و داخلة في حيز المدح، وهي وإن كان النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد صلاها إلا أنه تركها ولم يحافظ عليها، ولا جمع الناس عليها؛ فمحافظة عمر رضی اللہ عنہ عليها وجمع الناس لها، وندبهم إليها، بدعة لكنها بدعة محمودة ممدوحة. وإن كانت في خلاف ما أمرالله به ورسوله فهي في حيّز الذم والإنكار؛ قال معناه الخطابي و غيره

قلت: وهو معنى قوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في خطبته: ”وشَرُّ الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة“(۱) يريد مالم يوافق كتابا أو سنة، أو عمل

۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب اجتناب البدع الجدل، ۱: ۱۸، رقم: ۴۶
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۸۶، رقم: ۱۰
۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۹: ۹۶، رقم: ۸۵۱۸
۴۔ ابویعلی، المسند، ۴: ۸۵، رقم: ۲۱۱۱
۵۔ دیلمی، المسند الفردوس، ۱: ۳۸۰، رقم: ۱۵۲۹

الصحابة رضی اللہ عنہم، وقد بين هذا بقوله: ’’مَنْ سَنّ فِی الإسلام سُنَّةً حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أجورهم شیء و مَن سنّ فی الإسلام سُنَّةً سيئة كان عليه وزرُها و وزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شیء‘‘.(۱) و هذا إشارة إلى ما ابتدع من قبيح و حسن.(۲)

’’ہر بدعت جو مخلوق سے صادر ہوتی ہے دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتی وہ یہ کہ اس کی اصل شریعت میں ہوتی ہے یا نہیں اگر اس کی اصل شریعت میں ہو تو پھر وہ لازمی طور پر عموم کے تحت واقع ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو پس یہ بدعت مقامِ مدح میں ہوگی اور اگر ان کی مثال پہلے سے موجود نہ ہو جیسے جود و سخاء وغیرہ کی اقسام اور معروف کام تو ایسے اُمور کا سرانجام دینا افعال محمودہ میں سے ہے چاہے کسی نے یہ کام پہلے نہ کئے ہوں اور یہ عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول ’’نعمت البدعة هذه‘‘ کو تقویت دیتا ہے جو کہ اچھے کاموں میں سے تھی اور وہ محمود کاموں میں داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ تراویح کو پڑھا تھا مگر آپ نے اسے (باجماعت) ترک کر دیا اور اس

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث على الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔ ۳۵۹

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

(۲) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۲: ۸۷

کی محافظت نہیں فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا پس (بعد میں مصلحت وقت کے تحت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس (نمازِ تراویح) کی محافظت کی اور لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی تو وہ بدعت ہوئی لیکن بدعت محمودہ اور ممدوحہ ہے۔ اگر وہ بدعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَحکام کے خلاف ہوتو وہ مقامِ ذم میں ہوگی اور یہ معنی خطابی اور دیگر نے بھی کیا ہے تو اِمام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہی معنی آقا علیہ السلام کے خطبہ سے بھی ثابت ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''وشرالامور محدثاتها و كل بدعة ضلالة'' اور اس سے مراد وہ کام ہے جو کتاب وسنت اور عمل صحابہ کے موافق نہ ہو اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ''جس نے اسلام میں کسی اچھی چیز کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی اسے ملے گا اور ان کے اجر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری چیز کی ابتدا کی تو اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی برائی کا وبال بھی اس پر ہوگا اور ان کے وبال میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی'' اور یہ اشارہ اس کی طرف ہے جس نے کسی اچھے یا برے کام کی ابتداء کی۔''

۳۔ اِمام علی بن اَحمد ابن حزم الأُندلسیؒ (۴۵۶ھ)

اِمام ابن حزم اُندلسیؒ اپنی کتاب ''الأحکام فی اُصول الاحکام'' میں بدعت کی تعریف اور تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والبدعة كل ما قيل أو فعل مما ليس له أصل فيما نسب إليه صلى الله عليه وآله وسلم و هو في الدين كل مالم يأت في القرآن ولا عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إلا أن منها ما يؤجر عليه صاحبه و يعذر بما قصد إليه من الخير و منها ما يؤجر عليه صاحبه و يكون حسنا و هو ماكان أصله

الإباحة كما روي عن عمر ﷺ نعمت البدعة هذه[۱] و هو ما كان فعل خير جاء النص بعموم استحبابه و إن لم يقرر عمله في النص و منها ما يكون مذموما ولا يعذر صاحبه و هو ما قامت به الحجة على فساده فتمادى عليه القائل به.[۲]

’’بدعت ہر اس قول اور فعل کو کہتے ہیں جس کی دین میں کوئی اصل یا دلیل نہ ہو اور اس کی نسبت حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف کی جائے لہٰذا دین میں ہر وہ بات بدعت ہے جس کی بنیاد کتاب و سنت پر نہ ہو مگر جس نئے کام کی بنیاد خیر پر ہو تو اس کے کرنے والے کو اس کے اِرادۂ خیر کی وجہ سے اَجر دیا جاتا ہے اور یہ بدعتِ حسنہ ہوتی ہے اور یہ ایسی بدعت ہے جس کی اصل اباحت ہے۔ جس طرح کہ حضرت عمر فاروق ﷺ کا **نعمت البدعة هذه** قول ہے۔ اور یہ وہی اچھا عمل تھا جس کے مستحب ہونے پر نص وارد ہوئی اگرچہ پہلے اس فعل پر صراحتاً نص نہیں تھی اور ان (بدعات) میں سے بعض افعال مذموم ہوتے ہیں لہٰذا اس کے عامل کو معذور نہیں سمجھا جاتا اور یہ ایسا فعل ہوتا ہے جس کے ناجائز ہونے پر دلیل قائم ہوتی ہے اور اس کا قائل اس پر سختی سے عامل ہوتا ہے۔‘‘

۴۔ اِمام ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ (۴۵۸ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ اپنی کتاب ’’**المدخل الی السنن الکبریٰ**‘‘ میں ربیع بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ:

(۱) ۱۔ مالك، المؤطاء، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سیوطی، تنویر الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱/۲۶۶

(۲) ابن حزم الاندلسی، الاحکام فی أُصول الاحکام، ۱:۴۷

قال الشافعی رضی الله عنه المحدثات من الأمور ضربان: أحدهما ما أحدث مما يخالف كتاباً أوسنة أو اثرًا أو إجماعاً فهذه البدعة ضلالة، و الثانية ما أحدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا فهذه محدثة غير مذمومة، قد قال عمر رضی الله عنه فی قيام رمضان نعمت البدعة هذه(۱) يعنی إِنَّهَا محدثة لم تکن و إِذا كانت ليس فيها ردٌّ لما مضى۔(۲)

''محدثات میں دوقسم کے اُمور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے اُمور ہیں جو قرآن و سنت یا اثر صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ہوں وہ بدعت ضلالہ ہے، اور دوسری قسم میں وہ نئے امور ہیں جن کو بھلائی کے لیے انجام دیا جائے اور کوئی ان میں سے کسی (امرِ شریعت) کی مخالفت نہ کرتا ہو پس یہ امور محدثہ غیر مذمومۃ ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا کہ ''یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ یعنی یہ ایک ایسا محدثہ یعنی نیا عمل ہے جو پہلے نہ تھا اور اگر یہ پہلے ہوتا تو پھر مردود نہ ہوتا۔''

۵۔ اِمام ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ)

امام ابوحامد محمد بن محمد غزالیؒ اپنی کتاب ''إحياء علوم الدين'' میں بدعت کے

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱/۲۶۶
۵۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك، ۱/۳۴۰

(۲) ۱۔ بيهقی، المدخل الی السنن الكبری، ۱: ۲۰۶
۲۔ ذہبی، سير أعلام النبلاء، ۸: ۴۰۸
۳۔ نووی، تہذيب الاسماء واللغات، ۳: ۲۱

حوالے سے رقمطراز ہیں:

فليس كل ما أبدع منهيا بل المنهى بدعة تضاد سُنة ثابتة و ترفع أمرا من الشرع مع بقاء علته بل الابداع قد يجب فى بعض الاحوال إذا تغيرت الأسباب وليس فى المائدة إلا رفع الطعام عن الأرض لتيسير الأكل و أمثال ذلک مما لا كراهة فيه. والأربع التى جمعت فى أنها مبدعة ليست متساوية بل الأشنان حسن لما فيه من النظافة فإن الغسل مستحب للنظافة والأشنان أتم فى التنظيف، وكانوا لا يستعملونه لأنه ربما كان لا يعتاد عندهم أو لا يتيسر، أو كانوا مشغولين بأمور أهم من المبالغة فى النظافة فقد كانوا لا يغسلون اليد أيضا، وكانت مناديلهم أخمص أقدامهم و ذلک لا يمنع كون الغسل مستحبا. و أما المنخل فالمقصود منه تطييب الطعام وذلک مباح مالم ينته إلى التنعم المفرط. و أما المائدة فتيسير للأكل و هو أيضا مباح مالم ينته إلى الكبر والتعاظم. و أما الشبع فهو أشد هذه الأربعة فإنه يدعو إلى تهييج الشهوات و تحريک الأدواء فى البدن فلتدرک التفرقة بين هذه البدعات. (۱)

’’ہر بدعت ممنوع نہیں ہوتی بلکہ ممنوع صرف بدعت وہ ہوتی ہے جو سنتِ ثابتہ سے متضاد ہو اور اس سنت کی علت کے ہوتے ہوئے اَمرِ شریعت کو اٹھا دے (مزید برآں) بعض احوال میں جب اَسباب متغیر ہوجائیں تو بدعت واجب ہوجاتی ہے اور بلند دسترخوان میں یہی بات تو ہے کہ کھانے کی آسانی کے لیے کھانے کو زمین سے بلند کیا جاتا ہے اور اس قسم کے کاموں میں کراہت نہیں ہوتی۔ جن چار باتوں کو جمع کیا گیا کہ یہ بدعت ہیں تو یہ سب برابر بھی نہیں ہیں بلکہ اُشنان (ایک بوٹی جو صفائی کے کام آتی ہے) اچھی چیز ہے کیونکہ اس میں

(۱) غزالى، إحياء علوم الدين، ۲:۳

نظافت ہے۔ پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے غسل مستحب ہے اور اُشنان اس نظافت کو مکمل کرتی ہے اور اسے لوگ اس لیے استعمال نہیں کرتے تھے کہ ان کی عادت نہیں تھی یا اِنہیں حاصل نہیں ہوتی تھی۔ یا وہ نظافت سے زیادہ اہمیت کے کاموں میں مشغول ہوتے تھے۔ اسی طرح چھلنی سے مقصود کھانے کو صاف کرنا ہوتا ہے اور یہ جائز ہے جب تک حد سے متجاوز عیاشی کی طرف نہ لے جائے۔ اونچے دسترخوان سے چونکہ کھانا کھانے میں آسانی ہوتی ہے لہٰذا یہ بھی جائز ہے جب تک تکبر اور بڑائی پیدا نہ کرے شکم سیری ان چاروں میں سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس سے خواہشات ابھرتی ہیں اور بدن میں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تو ان چاروں بدعات میں فرق معلوم ہونا چاہیے۔‘‘

۶۔ اِمام مبارک بن محمد اِبنِ اَثیر الجزریؒ (المتوفی ۶۰۶ھ)

علامہ ابنِ اثیر جزریؒ حدیثِ عمر ’’نعمت البدعة هذه‘‘ کے تحت بدعت کی اقسام اور ان کا شرعی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة بدعتان: بدعة هدًى، و بدعة ضلال، فما کان فی خلاف ما أمر اللہ به و رسوله ﷺ فهو فی حیز الذّم والإنکار، وما کان واقعا تحت عموم ما ندب اللہ إلیه و حضَّ علیه اللہ أو رسوله فهو فی حیز المدح، وما لم یکن له مثال موجود کنوع من الجود والسخاء و فعل المعروف فهو من الأفعال المحمودة، ولا یجوز أن یکون ذلک فی خلاف ما ورد الشرع به؛ لأن النبی ﷺ قد جعل له فی ذلک ثوابا فقال من سنّ سُنة حسنة کان له أجرها و أجر من عمل بها وقال فی ضِدّه ومن سنّ سنة سیّئة کان علیه وزرُها ووِزرُ من عمل بها[1] وذلک إذا کان فی خلاف ما أمر

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷
←

الله به ورسوله ﷺ ومن هذا النوع قول عمر رضی الله عنه: نِعمت البدعة هذه[1]. لمّا كانت من أفعال الخير وداخلة فی حيز المدح سماها بدعة ومدحها؛ لأن النبی ﷺ لم يسُنّها لهم، و إنما صلّاها ليالی ثم تركها ولم يحافظ عليها، ولا جمع الناس لها، ولا كانت فی زمن أبی بكر، وإنما عمر رضی الله عنه جمع الناس عليها و ندبهم إليها، فبهذا سمّاها بدعة، وهی على الحقيقة سُنَّة، لقوله ﷺ عليكم بِسُنّتی و سنّة الخلفاء الراشدين من بعدی[2] وقوله اقتدوا باللذين من بعدی أبی

----- ۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔ ۳۵۹

۵۔ دارمی، السنن، ۱: ۱۴۱، رقم: ۵۱۴

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰

۲۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰

(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

بكر و عمر(۱) و على هذا التأويل يحمل الحديث الآخر (كل مُحْدَثة بدعةٌ) إنما يريد ما خالف أصول الشريعة ولم يوافق السُّنَّة(۲).

’’بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ جو کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اَحکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے، اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے اس حکم پر راغب کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام، وہ اچھے کام ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جس شخص نے اچھے کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی ملے گا اور اس کے برعکس جو برے کام کی ابتداء کرے گا اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے برے کام کی ابتداء کی اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہو گا اور جو اس برائی کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہو گا اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو اور اِسی قسم یعنی بدعتِ حسنہ کے بارے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ’’نعمت البدعة هذه‘‘ ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے لغوی اعتبار سے

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب عن الرسول ﷺ، باب مناقب ابی بکر و عمر، ۵/ ۶۰۹، رقم: ۳۶۶۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فی فضل اصحاب رسول الله ﷺ، ۱/۳۷، رقم: ۹۷

۳۔ حاکم، المستدرک، ۳/ ۷۹، رقم: ۴۴۵۱

(۲) ابن أثیر جزری، النهایة فی غریب الحدیث والأثر ۱ : ۱۰۶

بدعت کہا جائے گا مگر اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے باجماعت نماز تراویح کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر باجماعت پڑھنا ترک کر دیا اور اس پر آپ ﷺ نے نہ محافظت فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا، بعد میں نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں باجماعت پڑھی گئی پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (کا دور آیا تو) آپ نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور ﷺ کے اس قول ''علیکم بسنّتی و سنة الخلفاء الراشدين من بعدی'' اور اس قول ''اقتدوا بالذین من بعدی أبی بکر و عمر'' کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ''کل محدثة بدعة'' کو اُصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔

۷۔ اِمام عزّ الدین عبدالعزیز بن عبدالسلامؒ السلمی الشافعی (۶۶۰ ھ)

امام عز الدین عبدالعزیز بن عبد السلام السلمی الشافعیؒ بہت بڑے اُصولی، محدّث اور اِمام تھے۔ اھلِ زمانہ اِنہیں ''سلطان العلماء'' کے نام سے پکارتے تھے(۱) وہ اَپنی کتاب ''قواعد الأحكام فی مصالح الأنام'' میں بدعت کی پانچ اقسام اور ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

البدعة فعل مالم يعهد فی عصر رسول الله ﷺ و هی منقسمة إلی بدعة واجبة و بدعة محرمة و بدعة مندوبة و بدعة مكروهة و بدعة مباحة قال و الطريق فی معرفة ذلک أن تعرض البدعة علی

(۱) ۱۔ ابن سبکي، طبقات الشافعية ۸: ۲۰۹
۲۔ ابن کثير، البداية والنهاية، ۱۳: ۲۳۵
۳۔ عبد الحئی احمد العکری، شذرات الذهب فی أخبار من ذهب، ۵: ۳۰۱

قواعد الشريعة، فان دخلت فى قواعد الايجاب فهى واجبة، و إن دخلت فى قواعد التحريم فهى محرمة، و إن دخلت فى قواعد المندوب فهى مندوبة، و ان دخلت فى قواعد المكروه فهى مكروهة، و ان دخلت فى قواعد المباح فهى مباحة، و للبدع الواجبة أمثلة منها الاشتغال بعلم النحو الذى يفهم به كلام الله تعالٰى و كلام رسول الله ﷺ، و ذٰلک واجب لان حفظ الشريعة واجب، ولايتأتىٰ حفظها الا بمعرفة ذٰلک، وما لايتمُّ الواجبُ الابه فهو واجبٌ، الثانى: حِفُظُ غريبِ الكتاب والسنة من اللغة، الثالث: تدوين اصول الدين و اصول الفقه، الرابع: الكلام فى الجرح والتعديل، لتمييز الصحيح من السقيم، وقد دَلَّت قواعدُ الشريعة على أنَّ حِفُظَ الشريعةِ فرض كفاية فيما زاد على القَدُرِ المُتَعَيّن ولا يتأتٰى حفظ الشريعة الا بما ذكرناه و للبدع المحرمة امثلة منها مذاهب القدرية والجبرية والمُرجِئَة و المُجَسِّمَة والرد على هؤلاء من البدع الواجبة وللبدع المندوبة أمثلة منها إحداثَ الرُّبُطِ والمدارسِ و بناءُ القناطر و كل احسانٍ لم يُعُهَدُ فى العصر الاول ومنها صلاة التراويح والكلام فى دقائق التصوف و الكلام فى الجَدَل ومنها جمع المحافل للاستدلال فى المسائل اِنُ قُصِدَ بذلک وجه الله تعالٰى: وللبدع المكروهة أمثلة كزخرفة المساجد و تَزُويقُ المصاحف و أما تلحين القرآن بحيث تتغيَّرُ ألفاظُه عن الوضع العربى فالأصحُّ أنه من البدع المُحَرَّمَة وللبدع المباحة امثلةً منها المصافحة عقيب الصبح والعصر ومنها التوسع فى اللذيذ من المآكل والمشارب والملابس والمساكن و لبس الطيالسة و توسيع الاكمام وقد يُخُتَلَفُ فى بعض ذٰلک فيجعله بعض العلماء من البدع

المكروهة و يجعله آخرون من السنن المفعولة فی عهد رسول الله ﷺ فما بعده و ذلک کالاستعاذة فی الصلاة و البسملة فیها. (۱)

''بدعت سے مراد وہ فعل ہے جو حضور ﷺ کے زمانے میں نہ کیا گیا ہو، بدعت کی حسبِ ذیل اقسام ہیں۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعد شرعیہ سے موازنہ کیا جائے، اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے اور اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہے تو مستحب ہے اور اگر کراہت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ اور اگر اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔ بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن و حدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن و حدیث کا علم حاصل کیے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہوسکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال ہے قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کیلئے علم لغت کا حاصل کرنا، تیسری مثال ہے دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تا کہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ بدعات محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: قدریہ،

(۱) ۱۔ عزالدین، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، ۲: ۳۳۷ و أیضاً فی فتاوی العز بن عبدالسلام، ۱۱۶

۲۔ نووی، تہذیب الأسماء واللغات، ۳: ۲۱

۳۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۶

۴۔ ابن حجر مکی، الفتاوی الحدیثیه: ۱۳۰

جبریہ، مرجیۂ اور مجسمہ کے نظریات اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں سرائے، مدارس اور بلند عمارتیں بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا (تمام رمضان میں باجماعت) نمازِ تراویح، تصوف کی دقیق ابحاث، بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کیلئے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔ بدعاتِ مکروھہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: مساجد کی زیب و زینت، (متاخرین فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا) مصحف (قرآن) کو مزین کرنا (یہ بھی متاخرین کے نزدیک جائز ہے) اور قرآن کو ایسی سُر سے پڑھنا کہ اس کے الفاظ عربی وضع سے پھر جائیں اور زیادہ درست یہ ہے کہ یہ بدعتِ محرمہ ہے۔ بدعات مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر (کی نماز) کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے، پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت اختیار کرنا، سبز چادریں اوڑھنا، کھلی آستینوں کی قمیص پہننا، ان امور میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے ان امور کو بدعاتِ مکروھۃ میں داخل کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو عہدِ رسالت اور عہد صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے جیسے نماز میں تعوّذ وتسمیہ جہراً پڑھنے کے سنت ہونے میں یا نہ ہونے کا اختلاف ہے۔‘‘

۸۔ اِمام ابو زکریا محی الدین بن شرف النوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ)

اِمام اَبو زکریا محی الدین بن شرف نوویؒ کا اِعتقاد اور مذہب بھی یہی ہے کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ وہ بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ’’تھذیب الاسماء واللغات‘‘ میں فرماتے ہیں:

البدعة فی الشرع هی إحداث مالم یکن فی عهد رسول الله ﷺ وهی منقسمة الی حسنة و قبیحة وقال الشیخ الامام المجمع علی امامته و جلالته و تمکنه فی انواع العلوم و براعته ابو محمد عبدالعزیز بن عبدالسلام فی آخر ’’کتاب القواعد‘‘ البدعة

منقسمة إلى واجبة و محرمة و مندوبة و مكروهة و مباحة قال والطريق فی ذلک أن تعرض البدعة على قواعد الشريعة فان دخلت فی قواعد الايجاب فهی واجبة و إن دخلت فی قواعد التحريم فهی محرمة و إن دخلت فی قواعد المندوب فهی مندوبه و ان دخلت فی قواعد المكروه فهی مكروهة و ان دخلت فی قواعد المباح فهی مباحة و للبدع الواجبة أمثلة منها الإشتغال بعلم النحو الذی يفهم به كلام اللّٰه تعالٰی و كلام رسول اللّٰه ﷺ و ذٰلک واجب لان حفظ الشريعة واجب ولايتاتی حفظها اِلَّا بمعرفة بذٰلک وما لايتم الواجب الا به فهو واجب، الثانی حفظ غريب الكتاب والسنة من اللغة، الثالث تدوين اصول الدين و اصول الفقه، الرابع الكلام فی الجرح والتعديل لتمييز الصحيح من السقيم وقد دلت قواعد الشريعة على أن حفظ الشريعة فرض كفاية فيما زاد على المتعين ولا يتأتی ذٰلک الا بما ذكرناه و للبدع المحرمة أمثلة منها مذاهب القدرية والجبرية والمُرجئة و المُجَسِّمَة والرد على هؤلاء من البدع الواجبة وللبدع المندوبة أمثلة منها احداث الرُبطِ والمدارس و بناءُ القناطر و كل احسان لم يُعْهَدْ فی العصر الاول ومنها صلاة التراويح والكلام فی دقائق التصوف و الكلام في الجَدَل ومنها جمع المحافل للاستدلال فی المسائل اِنْ قُصِدَ بذلک وجه اللّٰه تعالٰی: وللبدع المكروهة امثلة كزخرفة المساجد و تَزْويقُ المصاحف و أما تلحين القرآن بحيث تتغيَّرُ ألفاظُه عن الوضع العربی فالأصحّ أنه من البدع المحرّمة وللبدع المباحة أمثلة منها المصافحة عقيب الصبح والعصر ومنها التوسع فی اللذيذ من المآكل والمشارب والملابس والمساكن و لبس الطيالسة و توسيع الاكمام وقد يختلف فی بعض ذٰلک

فیجعله بعض العلماء من البدع المکروهة و یجعله اٰخرون من السنن المفعولة فی عهد رسول الله ﷺ فما بعده و ذلک کالاستعاذة فی الصلاة و البسملة فیها۔ (۱)

''شریعت میں بدعت سے مراد وہ امور ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ تھے، بدعت کو بدعت حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم کیا گیا ہے اور شیخ عبدالعزیز بن عبدالسلام ''کتاب القواعد'' میں فرماتے ہیں۔ بدعت کو بدعت واجبۃ، محرمۃ، مندوبۃ، مکروھۃ اور مباحۃ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعدِ شرعیہ سے موازنہ کیا جائے، اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے اور اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہے تو مستحب ہے اور اگر کراھت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ اور اگر اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔ بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن اور حدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن و حدیث کا علم حاصل کیے بغیر علمِ شریعت حاصل نہیں ہوسکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال قرآن و حدیث کے معانی جاننے کیلئے علم لغت کا حاصل کرنا ہے، تیسری مثال دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا ہے جبکہ چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ بدعات محرمہ کی بعض مثالیں یہ

(۱) ۱۔ نووی، تہذیب الأسماء واللغات، ۳:۲۲

۲۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ۱ : ۲۸٦

۳۔ سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: ۵۱

۴۔ صالحی، سبل الهدی والرشاد، ۱: ۳۷۰

ہیں: قدریہ، جبریہ، مرجیۂ اور مجسمہ کے نظریات اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں سرائے، مدارس اور بلند منزلہ عمارتیں بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا (تمام رمضان میں) باجماعت تراویح، تصوف کی دقیق ابحاث، بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کیلئے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔ بدعات مکروھہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: مساجد کی زیب و زینت، (متاخرین فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا) مصحف (قرآن) کو مزین کرنا (یہ بھی متاخرین کے نزدیک جائز ہے) اور قرآن کو ایسی سر سے پڑھنا کہ اس کے الفاظ عربی وضع سے پھر جائیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت محرمہ ہے۔ بدعات مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے، پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت اختیار کرنا، سبز چادریں اوڑھنا، کھلی آستینوں کی قمیض پہننا، ان امور میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے ان امور کو بدعاتِ مکروھۃ میں داخل کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو عہدِ رسالت اور عہد صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے جیسے نماز میں تعوّذ وتسمیہ جہراً پڑھنے میں سنت ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہے۔''

اِمام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں بدعت کی اقسام اور پھر ان میں سے ہر قسم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قوله ﷺ و ''كل بدعة ضلالة''(١) هذا عام مخصوص

(١) ١۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷
۲۔ ترمذى، الجامع الصحيح، ۵: ۴۴، كتاب العلم، باب ما جاء فى الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ١: ١۵، رقم: ۴۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ١۲۶
۵۔ ابن حبان، الصحيح، ١: ١٧٨، رقم: ۵
۶۔ دارمى، السنن، ١: ۵٧، رقم: ۹۵

والمراد غالب البدع قال أهل اللغة هي كل شيء عمل مثال سابق قال العلماء البدعة خمسة أقسام واجبة و مندوبة و محرمة و مكروهة و مباحة فمن الواجبة نظم أدلة المتكلمين للرد على الملاحدة والمبتدعين و شبه ذلک ومن المندوبة تصنيف كتب العلم و بناء المدارس والربط و غير ذلک و من المباح التبسط في ألوان الأطعمة و غير ذلک والحرام والمكروه ظاهران وقد أوضحت المسألة بأدلتها المبسوطة في تهذيب الأسماء و اللغات فإذا عرف ما ذكرته علم أن الحديث من العام المخصوص و كذا ما أشبهه من الأحاديث الواردة و يؤيد ما قلناه قول عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ في التراويح نعمت البدعة(۱) ولا يمنع من كون الحديث عاما مخصوصا قوله كل بدعة مؤكدا بكل بل يدخله التخصيص مع ذلک كقوله تعالى تدمر كل شيء(۲) (۳)

’’حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کہ ’’ہر بدعت ضلالت ہے‘‘ عام مخصوص ہے۔ عام طور پر اس سے مراد بدعتِ سیّئہ لیا جاتا ہے اہل لغت نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جس پر مثالِ سابق کے بغیر عمل کیا جائے وہ بدعت ہے۔ علماء نے بدعت کی پانچ اقسام بدعت واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہہ اور مباحہ بیان کی ہیں۔ بدعت واجبہ کی مثال متکلمین کے دلائل کو ملحدین، مبتدعین اور اس جیسے دیگر اُمور کے رد کے لئے استعمال کرنا ہے اور بدعتِ مستحبہ کی مثال جیسے کتب تصنیف کرنا، مدارس،

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سیوطی، تنویر الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
(۲) الاحقاف، ۴۶:۲۵
(۳) نووی، شرح صحیح مسلم، ۶: ۱۵۴

سرائے اور اس جیسی دیگر چیزیں تعمیر کرنا۔ بدعت مباح کی مثال یہ ہے کہ مختلف انواع کے کھانے اور اس جیسی چیزوں کو اپنانا ہے جبکہ بدعت حرام اور مکروہ واضح ہیں اور اس مسئلہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ میں نے ''تھذیب الاسماء واللغات'' میں واضح کر دیا ہے۔ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اگر اس کی پہچان ہوجائے گی تو پھر یہ سمجھنا آسان ہے کہ یہ حدیث اور دیگر ایسی احادیث جو ان سے مشابہت رکھتی ہیں عام مخصوص میں سے تھیں اور جو ہم نے کہا اس کی تائید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ''نعمت البدعة'' کرتا ہے اور یہ بات حدیث کو عام مخصوص کے قاعدے سے خارج نہیں کرتی۔ قول ''کل بدعة'' لفظ ''کل'' کے ساتھ مؤکد ہے لیکن اس کے باوجود اس میں تخصیص شامل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد تدمر کل شئ (الاحقاف، ۴۶: ۲۵) کہ (وہ ہر چیز کو اُکھاڑ پھینکے گی) میں تخصیص شامل ہے۔

۹۔ اِمام شہاب الدین احمد القرافی المالکیؒ (۶۸۴ھ)

معروف مالکی فقیہ اِمام شہاب الدین احمد بن ادریس القرافیؒ تفصیل کے ساتھ بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ''انوار البروق فی انوار الفروق'' میں رقمطراز ہیں:

البدعة خمسة اقسام (القسم الأول) واجب و هو ما تتناوله قواعد الوجوب وادلته من الشرع كتدوين القرآن والشرائع اذا خيف عليها الضياع فان التبليغ لمن بعدنا من القرون واجب اجماعا و أهمال ذلک حرام اجماعا فمثل هذا النوع لا ينبغي ان يختلف في وجوبه (القسم الثانی) محرم و هو بدعة تناولتها قواعد التحريم و ادلته من الشريعة كالمكوس والمحدثات من المظالم المنافية لقواعد الشريعة كتقديم الجهال على العلماء و تولية المناصب الشرعية من لا يصلح لها بطريق التوارث و جعل

المستند لذلک كون المنصب كان لابيه و هو فى نفسه ليس باهل (القسم الثالث) من البدع مندوب اليه و هو ما تناولته قواعد الندب وادلته من الشريعة كصلاة التراويح و اقامة صور الائمة والقضاء وولاة الامور على خلاف ما كان عليه أمر الصحابة بسبب ان المصالح والمقاصد الشرعية لا تحصل الا بعظمة الولاة فى نفوس الناس و كان الناس فى زمن الصحابة معظم تعظيمهم انما هو بالدين و سابق الهجرة ثم اختل النظام و ذهب ذلک القرن وحدث قرن آخر لا يعظمون الا بالصور فيتعين تفخيم الصور حتى تحصل المصالح و قد كان عمر يا كل خبز الشعير والملح و يفرض لعامله نصف شاة كل يوم لعلمه بان الحالة التى هو عليها لوعملها غيره لهان فى نفوس الناس ولم يحترموه و تجاسروا عليه بالمخالفة فاحتاج الى ان يضع غيره فى صورة اخرى لحفظ النظام ولذلک لما قدم الشام ووجد معاوية بن أبى سفيان قد اتخذ الحجاب و أرخي الحجاب واتخذ المراكب النفيسة والثياب الهائلة العلية و سلک ما يسلكه الملوک فسأله عن ذلک فقال انا بأرض نحن فيها محتاجون لهذا فقال له لا أمرک ولا انهاک و معناه أنت اعلم بحالک هل انت محتاج الى هذا فيكون حسنا أو غير محتاج اليه فدل ذلک من عمر وغيره على ان احوال الائمة و ولاة الامور تختلف باختلاف الاعصار والامصار والقرون والاحوال فلذلک يحتاجون الى تجديد زخارف و سياسات لم تكن قديما و ربما وجبت فى بعض الاحوال (القسم الرابع) بدع مكروهة و هي ما تناولته ادلة الكراهة من الشريعة وقواعدها كتخصيص الايام الفاضلة او غيرها بنوع من العبادات و من ذلک فى الصحيح ما خرجه مسلم وغيره ان رسول الله ﷺ نهى عن

تخصيص يوم الجمعة بصيام أوليلته بقيام[1] ومن هذا الباب الزيادة فى المندوبات المحدودات كما ورد فى التسبيح عقيب الصلوات ثلاثة وثلاثين فيفعل مائة وورد صاع في زكاة الفطر فيجعل عشرة آصع بسبب ان الزيادة فيها اظهار الاستظهار على الشارع وقلة ادب معه بل شان العظماء اذا حددوا شيئا وقف عنده والخروج عنه قلة ادب والزيادة فى الواجب أو عليه أشد فى المنع لانه يؤدى الا ان يعتقد ان الواجب هو الاصل والمزيد عليه ولذلک نهي مالک عن ايصال ست من شوال لئلا يعتقد انها من رمضان و خرج ابو داود فى سننه[2] ان رجلا دخل الى مسجد رسول الله ﷺ فصلى الفرض وقام ليصلى ركعتين فقال له عمر بن الخطاب اجلس حتى تفصل بين فرضک و نفلک فبهذا هلک من کان قبلنا فقال له عليه السلام أصاب الله بک يا ابن الخطاب يريد عمر ان من قبلنا و صلوا النوافل بالفرائض فاعتقدوا الجميع واجبا و ذلک تغيير للشرائع و هو حرام اجماعا (القسم الخامس) البدع المباحة و هي ما تناولته ادلة الاباحة وقواعدها من الشريعة كاتخاذ المناخل للدقيق ففى

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۲:۱ ۸۰، رقم: ۱۱۴۴
۲۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۲:۱۹۸، رقم: ۱۱۷۶
۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۳۷۶، رقم: ۳۶۱۲
۴۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۴۵۵ رقم: ۱۱۷۲
۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۳۰۲، رقم: ۸۲۷۳
۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۴۴۴ رقم: ۲۷۵۴۷

(۲) ۱۔ ابو داؤد، السنن، ۱: ۲۶۴
۲۔ بیہقی، السننالکبری، ۲: ۱۹۰، رقم: ۲۸۶۷
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲: ۲۳۴

الاثار اول شيء احدثه الناس بعد رسول الله ﷺ اتخاذ المناخل للدقيق لان تليين العيش و اصلاحه من المباحات فوسائله مباحة. (۱)

’’بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم واجب ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد وجوب پر مشتمل ہو اور اس کی دلیل شریعت میں موجود ہو جیسے ضائع ہونے کے ڈر سے قرآن مجید اور شریعت کی تدوین۔ بے شک ہمارے بعد آنے والوں کے لیے تبلیغ کرنا اجماعاً واجب ہے اور اسے چھوڑ دینا اجماعًا حرام ہے۔ اس طرح کی چیزوں کے وجوب میں اختلاف کرنا درست نہیں ہے۔ دوسری قسم بدعت محرومہ ہے۔ یہ وہ بدعت ہے جس کی دلیل شریعت میں حرام کے قواعد کے مطابق ہو۔ جیسے ٹیکس اور ایسے نئے ظالمانہ امور جو کہ قواعد شریعت کے منافی ہوں۔ جیسے جہلا کو علماء پر فوقیت دینا اور شریعت کے کسی ایسے عہدے پر فائز کرنا جو وراثتی طریقے سے اس کے لیے درست نہ ہو اور اس منصب کو اس شخص کے لیے درست قرار دیا جائے جو کہ اس کے باپ کے لیے تھا اور وہ بذات خود اس منصب کا اہل نہ ہو اور تیسری قسم بدعت مستحبہ ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد استحباب پر مشتمل ہو اور شریعت میں اس کی حمایت میں دلائل موجود ہوں جیسا کہ نماز تراویح اور امر صحابہ کے خلاف (مصلحت و خیر کے پیش نظر) حکمرانان وقت، قاضیوں اور اہم منصب داروں کی تصویروں کو آویزاں کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شمار مصالح اور شرعی مقاصد لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں کی عظمت ڈالے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے صحابہ کے زمانے میں صحابہ کے دین اور سابق الھجر ہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے پھر نظام درہم برہم ہوگیا اور وہ زمانہ گزر گیا اور نیا زمانہ آ گیا اس زمانہ میں لوگ تصویروں کے بغیر کسی کی عظمت نہیں کرتے تھے لہٰذا تصویروں کی حیثیت کو تسلیم کرلیا گیا۔ یہاں تک کہ متعلقہ مصلحتیں حاصل ہوگئیں اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تو جو کی روٹی اور نمک کھایا کرتے تھے جبکہ اپنے عاملین کے لئے

(۱) القرافی، انوار البروق فی انوار الفروق، ۴: ۲۰۲-۲۰۵

آدھی بکری روزانہ مقرر کر رکھی تھی کیونکہ اگر دوسرے عاملین بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے جس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود تھے تو وہ عوام الناس کی نظروں میں گر جاتے اور لوگ ان کا احترام نہ کرتے اور ان کی مخالفت پر اتر آتے لہٰذا یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی دوسرے کو کسی اور شکل میں نظام کی حفاظت کے لیے تیار کیا جائے اور اسی طرح جب آپ شام گئے تو آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ پردہ کئے ہوئے اور پردہ لٹکائے ہوئے تھے اور ان کے پاس خوبصورت سواری اور اعلیٰ رعب دار کپڑے تھے اور آپ اس طرح پیش آتے جس طرح بادشاہ پیش آتے تھے پھر اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہم ایسے علاقے میں ہیں جہاں ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے احوال کو بہتر جانتے ہو کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے کہ نہیں اور اگر ضرورت ہے تو یہ بہتر ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسروں کے نظائر (Precedents) سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ائمہ کے احوال اور اُمورِ سلطنت، زمانے، شہروں، صدیوں کے بدل جانے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس طرح انہیں حسنِ معاملات اور حسن سیاسیات میں تنوع کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ احوال پرانے نہ ہو جائیں اور بعض اوقات یہ مصلحتیں واجب ہو جاتی ہیں اور چوتھی قسم بدعت مکروہ کی ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو شریعت اور اس کے قواعد میں سے دلائلِ کراہت پر مشتمل ہوتی ہے جیسے بعض فضیلت والے اور بابرکت اَیام کو عبادات کے لئے مخصوص کرنا۔اس کی مثال وہ روایت ہے جسے اِمام مسلم اور دیگر نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے اور اسی رات کو قیام کے لئے مختص کرنے سے منع کیا ہے۔ اور اسی طرح اس باب میں محدود مندوبات کو زیادہ کرنا جیسے نمازوں کے بعد تینتیس بار تسبیح کرنا آیا ہے پھر ان کو سو بار کیا جائے، اور اسی طرح زکوٰۃ فطر کے لیے ایک صاع دینا آیا ہے پھر اسے دس صاعات بنا دیا جائے یہ اس وجہ سے ہے کہ ان امور میں زیادتی شارع

پر جرأت اور اس کی بے ادبی ہے۔ پس عظیم لوگوں کی شان یہ ہے کہ اگر انہیں کسی امر سے روکا جائے تو وہ رک جائیں کیونکہ اس حکم سے سرتابی سوءِ ادب ہے لٰہذا واجب میں زیادتی یا واجب پر زیادتی سخت منع ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ اعتقاد پنپتا ہے کہ واجب اور اس پر زیادتی دونوں واجب ہیں۔ جیسا کہ امام مالک نے شوال کے چھ (روزوں کو) ملانے سے منع کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ سمجھا جائے کہ یہ بھی رمضان میں سے ہیں اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی مسجد رسول ﷺ میں داخل ہوا پھر اس نے فرض نماز ادا کی اور ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تا کہ دو رکعتیں (نفل) پڑھے۔ تو اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ تو اپنے فرض اور نفل میں فرق کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی وجہ سے ہم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے تو پھر اسے آقا علیہ السلام نے فرمایا اے ابن خطاب اللہ تعالیٰ نے تجھے درست پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ ہم سے پہلے لوگوں نے نوافل کو فرائض کے ساتھ ملا دیا انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ یہ تمام واجبات میں سے ہیں اور یہ شریعت میں تغیر ہے جو کہ اجماعاً حرام ہے اور پانچویں قسم بدعت مباح ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی دلیل شریعت کے قواعد و ضوابط میں اباحت کے اصولوں کے مطابق ہو جیسا کہ آٹا چھاننے کے لیے چھلنی کا استعمال کرنا اور آثار میں پہلی چیز جو لوگوں نے آپ ﷺ کے بعد ایجاد کی وہ تھی ''اتخاذ المناخل للدقیق'' یعنی آٹا چھاننے کے لئے چھلنی کا استعمال کیونکہ زندگی میں لوگوں کی طبیعت میں نرمی ہونا اور اس کی اصلاح کرنا مباحات میں سے ہے اور اس کے تمام وسائل بھی مباح میں سے ہیں۔''

۱۰۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقیؒ (المتوفی ۷۱۱ھ)

علامہ جمال الدین ابن منظور افریقیؒ اپنی معروف کتاب ''لسان العرب'' میں علامہ ابن اثیر جزریؒ (۶۰۶ھ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حدیث پاک ''کل محدثة بدعة'' سے مراد صرف وہ کام ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو اور وہ بدعت جو

شریعت سے متعارض نہ ہو وہ جائز ہے، لکھتے ہیں:

البدعة: الحدث وما ابتدع من الدين بعد الإكمال. ابن السّكيت: البدعة كل محدثة و فى حديث عمرؓ فى قيام رمضان "نعمتِ البدعة هذه"[۱] ابن الأثير: البدعة بدعتان: بدعة هدًى، و بدعة ضلال، فما كان فى خلاف ما أمر الله به و رسولهﷺ فهو فى حيز الذّم والإنكار، وما كان واقعا تحت عموم ما ندب الله إليه و حضَّ عليه الله أو رسوله فهو فى حيّز المدح، وما لم يكن له مثال موجود كنوع من الجود والسّخاء و فعل المعروف فهو من الأفعال المحمودة، ولا يجوز أن يكون ذلک فى خلاف ما ورد الشرع به؛ لأن النبىﷺ قد جعل له فى ذلک ثوابا فقال: (من سنّ سُنة حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها) وقال فى ضِدّه: (من سنّ سنة سيّئة كان عليه وزرُها ووِزرُ من عمل بها)[۲] وذلک إذا كان فى خلاف ما أمر الله به ورسولهﷺ، قَالَ: ومن هذا النوع قول عمرؓ: نِعمت البدعة هذه، لمَّا كانت من أفعال الخير وداخلة فى حيز المدح سماها

(۱) ۱۔ مالك، الموطا، باب ما جاء فى قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بيهقى، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سيوطى، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۲: ۷۰۵، كتاب الزكوٰة، باب الحث على الصدقه، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ نسائى، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، رقم: ۲۵۵۴
۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔ ۳۵۹

بدعة ومدحها لأن النبی ﷺ، لم یَسُنَّها لهم، و إنما صلّاها لیالی ثم ترکها ولم یحافظ علیها ولا جمع الناس لها ولا کانت فی زمن أبی بکر رضی الله عنه، وإنما عمر رضی الله عنه جمع الناس علیها و ندبهم إلیها، فبهذا سمّاها بدعة، وهی علی الحقیقة سنَّة، لقوله ﷺ (علیکم بسنَّتی و سنَّة الخلفاء الراشدین من بعدی)[1] وقوله ﷺ: (اقتدوا باللذین من بعدی أبی بکر و عمر)[2] و علی هذا التأویل یحمل الحدیث الآخر (کل محدثة بدعة) إنما یرید ما خالف أصول الشریعة ولم یوافق السُّنَّة۔[3]

''بدعت سے مراد اِحداث ہے یا ہر وہ کام جو اِکمالِ دین کے بعد کسی دینی مصلحت کے پیشِ نظر شروع کیا گیا ہو۔ ابن سکیت کہتے ہیں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے جیسا کہ قیام رمضان کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب عن الرسول ﷺ، باب مناقب ابی بکر و عمر، ۵/ ۶۰۹، رقم: ۳۶۶۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فی فضل اصحاب رسول الله ﷺ، ۱/ ۳۷، رقم: ۹۷

۳۔ حاکم، المستدرک، ۳/ ۷۹، رقم: ۴۴۵۱

۴۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۵/ ۲۱۲، رقم: ۹۸۳۶

(۳) ابن منظور افریقی، لسان العرب، ۸: ۶

نعمت البدعة هذه۔ ابن اثیر کہتے ہیں بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ ۔ جو کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے، اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو تو یہ اَمرِ محمود ہے اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام، وہ اچھے کام ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اچھے کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی ملے گا اور اس کے برعکس یہ بھی فرمایا: جس شخص نے برے کام کی ابتداء کی اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہو گا اور جو اس برائی کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہو گا اور یہ اس وقت ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو۔ اور اِسی قسم یعنی بدعتِ حسنہ میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول "نعمت البدعة هذه" ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے لغوی اعتبار سے تو بدعت کہا جائے گا مگر اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اس (باجماعت نماز تراویح کے) عمل کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر (باجماعت پڑھنا) ترک کر دیا اور (بعد میں) اس پر محافظت نہ فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا بعد ازاں نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں (باجماعت) پڑھی گئی پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور ﷺ کے اس قول "عليكم بسنّتي و سنة الخلفاء الراشدين من بعدي''اور اس قول"اقتدوا باللذين من بعدي أبي بكر و عمر" کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث "كل محدثة بدعة"کو اصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔''

۱۱۔ علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ ھ)

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب ”منہاج السنۃ“ میں لغوی بدعت اور شرعی بدعت کو واضح کرتے ہوئے ”نعمت البدعۃ ھذہٖ“ کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

إنّما سماها بدعة لأن ما فعل ابتداء، بدعة لغة، وليس ذلک بدعة شرعية، فإن البدعة الشرعية التی هی ضلالة ما فعل بغير دليل شرعی [1]

”اِسے بدعت اِس لیے کہا گیا کہ یہ عمل اس سے پہلے اِس انداز میں نہیں ہوا تھا لہٰذا یہ بدعتِ لغوی ہے بدعتِ شرعی نہیں ہے کیونکہ بدعتِ شرعی وہ گمراہی ہوتی ہے جو دلیل شرعی کے بغیر سرانجام دی جائے۔“

علامہ ابن تیمیہ ”بدعت حسنہ“ اور ”بدعت ضلالۃ“ کے مفہوم کو مزید واضح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن هنا يعرف ضلال من ابتدع طريقاً أو اعتقاداً زعم أن الإيمان لا يتم إلا به مع العلم بأن الرسول ﷺ لم يذكره وما خالف النصوص فهو بدعة باتفاق المسلمين وما لم يعلم أنه خالفها فقد لا يسمى بدعة قال الشافعي رحمه الله البدعة بدعتان بدعة خالفت كتابا و سنة و إجماعا و أثرا عن بعض أصحاب رسول الله ﷺ فهذه بدعه ضلاله و بدعه لم تخالف شيئا من ذلک فهذه قد تکون حسنة لقول عمر نعمت البدعة هذه [2] هذا

(۱) ابن تیمیہ، منہاج السنۃ، ۴: ۲۲۴

(۲) ۱۔ مالک، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰

۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۳۔ سیوطی، تنویر الحوالک شرح مؤطا مالک، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰

الكلام أو نحوه رواه البيهقي بإسناده الصحيح فی المدخل(۱)

''اور اس کلام سے لفظ ''ضلال'' کا مفہوم سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ حضور ﷺ نے اسے بیان نہیں کیا کسی طریقے یا عقیدے کی ابتدا اس گمان سے کی کہ بے شک ایمان اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا تو یہ ''ضلالۃ'' ہے اور جو چیز نصوص کے مخالف ہو وہ مسلمانوں کی اِتفاق رائے کے ساتھ بدعت ہے۔ اور جس چیز کے بارے یہ معلوم نہ ہو کہ اس سے کتاب و سنت کی مخالفت ہوتی ہے ایسی چیز کو بدعت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بدعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک وہ بدعت جو قرآن و سنت، اجماع اور بعض اصحاب رسول ﷺ کے اقوال کے خلاف ہو تو وہ بدعت ضلالہ ہے۔ اور جو بدعت ان تمام چیزوں (یعنی قرآن و سنت، اجماع اور آثارِ صحابہ) میں سے کسی کے مخالف نہ ہو تو وہی بدعت حسنہ ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے ''نعمت البدعة هذه'' یہ یا اس جیسا دوسرا بیان اسے امام بیہقی نے اپنی صحیح اسناد کے ساتھ ''المدخل'' میں روایت کیا ہے۔''

۱۲۔ اِمام حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)

حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل بن کثیر اپنی تفسیر ''**تفسير القرآن العظيم**'' میں بدعت کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

والبدعة على قسمين تارة تكون بدعة شرعية كقوله (فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة) و تارة تكون بدعة لغوية كقول أمير المؤمنين عمر بن الخطاب عن جمعه إيّاهم على صلاة التراويح واستمرارهم: نعمت البدعة هذه۔ (۲)

(۱) ابن تيمية، كتب ورسائل و فتاوى ابن تيمية فی الفقه، ۲۰: ۱۶

(۲) ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۱۶۱

’’بدعت کی دو قسمیں ہیں بعض اوقات یہ بدعت شرعیۃ ہوتی ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ’’فإنّ کلّ محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة‘‘ اور بعض اوقات یہ بدعت لغویہ ہوتی ہے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق کا لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کرتے اور دوام کی ترغیب دیتے وقت فرمان ’’نعمت البدعة هذه‘‘ ہے۔‘‘

مذکورہ بحث میں حافظ ابنِ کثیرؒ نے بدعت کو بدعتِ شرعیہ اور بدعت لغویۃ میں تقسیم کر دیا۔ اِس میں بدعتِ ضلالۃ کو بدعتِ شرعیہ کا نام دیا ہے ان کے نزدیک ہر بدعت ضلالت و گمراہی نہیں بلکہ صرف ”کل بدعة سيئة ضلالة“ ہے۔ بصورت دیگر وہ اُسے بدعت لغویہ کہتے ہیں۔ وہ اِس کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول ”نعمت البدعة هذه“(۱) میں بدعت سے مراد بدعتِ لغوی ہے نہ کہ بدعت ضلالۃ۔

اَہم نکتہ

علامہ اِبن تیمیہؒ اور حافظ ابنِ کثیرؒ نے حضرت عمر فاروقؓ کے فرمان ”نعمت البدعة هذه“ میں بدعت کو بدعتِ لغوی شمار کیا ہے حالانکہ سیدنا عمر فاروقؓ نے کہیں نہیں فرمایا کہ هذه بدعة لغوية بلکہ انہوں نے بدعت کے ساتھ لفظ ”نعم“ اِستعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اُنہوں نے اِسے نعم البدعۃ یا بدعتِ حسنہ کہا ہے۔ اِس مفہوم کی شہادت قرآن میں بھی موجود ہے سورہ ص میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

نِعْمَ الْعَبْدُ ط اِنَّهٗ اَوَّابٌ۔(۲)

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بیهقی، شعب الایمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سیوطی، تنویر الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
(۲) القرآن، ص، ۳۸:۳۰

''(حضرت سلیمان علیہ السلام) کیا خوب بندہ تھا، بے شک وہ بڑی کثرت سے توبہ کرنے والا تھا۔''

اس آیت میں لفظ نِعْمَ اِستعمال ہوا ہے اس کا معنی لغوی نہیں ہوتا بلکہ اِس کا معنی ''اَچھا'' یعنی ''حسنہ'' ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جسے **نعم البدعة هذه** کہا ہے لغت ہی کی رو سے اِس کا معنی بدعت حسنہ بنتا ہے۔ یعنی باعتبارِ لغت بدعتِ لغوی سے مراد بدعتِ حسنہ ہے۔

۱۳۔ اِمام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ)

علامہ ابو اسحاق شاطبیؒ بہت بڑے اُصولی، محدّث اور فقیہ ہیں۔ آپ کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے جدید فکر کے حامل فقہاء میں ہوتا ہے۔ آپ اپنی معروف کتاب ''الاعتصام'' میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا الباب يُضْطَرُّ إلى الكلام فيه عند النظر فيما هو بدعة وما ليس ببدعة فإن كثيرًا من الناس عدوا اكثر المصالح المرسلة بدعاً و نسبوها إلى الصحابة و التابعين و جعلوها حجة فيما ذهبوا إليه من اختراع العبادات وقوم جعلوا البدع تنقسم بأقسام أحكام الشرعية، فقالوا: إن منها ما هو واجب و مندوب، وعدوا من الواجب كتب المصحف وغيره، ومن المندوب الإجتماع فى قيام رمضان على قارئ واحد. و أيضا فإن المصالح المرسلة يرجع معناها إلى إعتبار المناسب الذى لا يشهد له أصل معين فليس له على هذا شاهد شرعيّ على الخصوص، ولا كونه قياساً بحيث إذا عرض على العقول تلقته بالقبول. وهٰذا بعينه موجود فى البدع المستحسنة، فإنها راجعة إلى أمور فى الدين مصلحية– فى زعم واضعيها– فى الشرع على الخصوص. وإذا

ثبت هٰذا فإن كان إعتبار المصالح المرسلة حقا فإعتبار البدع المستحسنه حق لأنهما يجريان من واد واحد. وإن لم يكن إعتبار البدع حقا، لم يصح إعتبار المصالح المرسلة.(۱)

''اس باب میں یہ بحث کرنا ضروری ہے کہ کیا چیز بدعت ہے اور کیا چیز بدعت نہیں، کیونکہ زیادہ تر لوگوں نے بہت سی مصالح مرسلہ کو بدعت قرار دیا ہے اور ان بدعات کو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی طرف منسوب کیا ہے اور ان سے اپنی من گھڑت عبادات پر استدلال کیا ہے۔ اور ایک قوم نے بدعات کی احکام شرعیہ کے مطابق تقسیم کی ہے اور انہوں نے کہا کہ بعض بدعات واجب ہیں اور بعض مستحب ہیں، انہوں نے بدعات واجبہ میں قرآن کریم کی کتابت کو شمار کیا ہے اور بدعات مستحبہ میں ایک امام کے ساتھ تراویح کے اجتماع کو شامل کیا ہے۔ مصالح مرسلہ کا رجوع اس اعتبار مناسب کی طرف ہوتا ہے جس پر کوئی اصل معین شاہد نہیں ہوتی اس لحاظ سے اس پر کوئی دلیل شرعی بالخصوص نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی ایسے قیاس سے ثابت ہے کہ جب اسے عقل پر پیش کیا جائے تو وہ اسے قبول کرے اور یہ چیز بعینہٖ بدعات حسنہ میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ بدعات حسنہ کے ایجاد کرنے والوں کے نزدیک ان کی بنیاد دین اور بالخصوص شریعت کی کسی مصلحت پر ہوتی ہے اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو **مصالح مرسلہ اور بدعات حسنہ دونوں کا مآل ایک ہے اور دونوں برحق ہیں اور اگر بدعات حسنہ کا اعتبار صحیح نہ ہو تو مصالح مرسلہ کا اعتبار بھی صحیح نہیں ہوگا۔''**

علامہ شاطبیؒ ''بدعت حسنہ'' کے جواز پر دلائل دیتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

أن أصحاب رسول الله ﷺ اتفقوا على جمع المصحف وليس ثَمَّ نص على جمعه وكتبه أيضاً...... بل قد قال بعضهم: كيف نفعل شيئاً لم يفعله رسول الله ﷺ؟ فروى عن زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۱) شاطبی، الإعتصام، ۲ : ۱۱۱

قال: أرسل إِلیَّ أَبوبکر رضی الله عنه مقتلَ (أَهل) الیمامة، و إِذا عنده عمر رضی الله عنه، قال أبوبکر:(إن عمر أَتانی فقال): إِن القتل قد استحرّ بقراءِ القرآن یوم الیمامة، و إِنی أَخشی أَن یستحرّ القتل بالقراءِ فی المواطن کلها فیذهب قرآن کثیر، و إِنی أَری أَن تأْمر بجمع القرآن. (قال): فقلت له: کیف أَفعل شیئًا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم؟ فقال لی: هو والله خیر. فلم یزل عمر یراجعنی فی ذلک حتی شرح الله صدری له، ورأَیت فیه الذی رأَی عمر. قال زید: فقال أبوبکر: إنک رجل شاب عاقل لا نتهمک، قد کنت تکتب الوحی لرسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، فتتبع القرآن فاجمعه. قال زید: فوالله لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان أَثقل علیَّ من ذلک. فقلت: کیف تفعلون شیئًا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم؟ فقال أَبوبکر: هو والله خیر[1]، فلم یزل یراجعنی فی ذلک أَبوبکر حتی شرح الله صدری للذی شرح له صدورهما فتتبعت القرآن أَجمعه من الرقاع والعسب واللخاف، ومن صدور الرجال، فهذا عمل لم ینقل فیه خلاف عن أَحد من الصحابة. ...... حتی اذا

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، **باب قوله لقد جاء کم رسول**، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۲۹، کتاب الأَحکام، باب یستحب **للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً**، رقم: ۶۷۶۸

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۲۸۳، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶

نسخوا الصحف فی المصاحف، بعث عثمان فی کل افق بمصحف من تلک المصاحف التی نسخوها، ثم امر بما سوی ذٰلک من القراء ۃ فی کل صحیفۃ أو مصحف أن یحرق ...... ولم یرد نص عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بما صنعوا من ذلک، ولکنھم رأوہ مصلحۃ تناسب تصرفات الشرع قطعا فإن ذلک راجع إلی حفظ الشریعۃ، والأمر بحفظھا معلوم، وإلی منع الذریعۃ للاختلاف فی أصلھا الذی ھوالقرآن، وقد علم النھی عن الإختلاف فی ذلک بما لا مزید علیہ. واذا استقام ھذا الأصل فاحمل علیہ کتب العلم من السنن و غیرھا إذا خیف علیھا الإندراس، زیادۃ علی ما جاء فی الأحادیث من الأمر بکتب العلم.(۱)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا...... لیکن بعض نے کہا کہ ہم اس کام کو کس طرح کریں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا جبکہ یمامہ والوں سے لڑائی ہو رہی تھی اور اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے کتنے ہی قاری شہید ہوگئے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ قراء کے مختلف جگہوں پر شہید ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کا اکثر حصہ ضائع ہو جائے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے کا حکم دیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں وہ کام کس طرح کرسکتا ہوں جسے رسول

(۱) شاطبی، الاعتصام، ۲: ۱۱۵

اللہ ﷺ نے نہیں کیا تو انہوں نے مجھے کہا خدا کی قسم یہ اچھا ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بارے میں مجھ سے بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں میرا سینہ کھول دیا۔ میں نے بھی وہ کچھ دیکھ لیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا حضرت زید کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے مجھے فرمایا آپ نوجوان آدمی اور صاحب عقل و دانش ہیں اور آپ کی قرآن فہمی پر کسی کو اعتراض بھی نہیں اور آپ آقا علیہ السلام کو وحی بھی لکھ کر دیا کرتے تھے۔ آپ قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کر دیں تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم اگر آپ مجھے پہاڑوں میں کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا حکم دیں تو وہ میرے لیے اس کام سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس کام کو کیوں کر رہے ہیں جسے آقا علیہ السلام نے نہیں کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم اس میں بہتری ہے۔ تو میں برابر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بحث کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ پھر میں نے قرآن مجید کو کھجور کے پتوں، کپڑے کے ٹکڑوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کر کے جمع کر دیا۔ یہ وہ عمل ہے جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا گیا...... حتی کہ جب انہوں نے (لغت قریش پر) صحائف لکھ لیے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام شہروں میں ان مصاحف کو بھیجا اور یہ حکم دیا کہ اس لغت کے سوا باقی تمام لغات پر لکھے ہوئے مصاحف کو جلا دیا جائے...... حالانکہ اس معاملہ میں ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم نہیں تھا لیکن انہوں نے اس اقدام میں ایسی مصلحت دیکھی جو تصرفات شرعیہ کے بالکل مناسب تھی کیونکہ قرآن کریم کو مصحف واحد میں جمع کرنا شریعت کے تحفظ کی خاطر تھا اور یہ بات مسلّم اور طے شدہ ہے کہ ہمیں شریعت کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور ایک لغت پر قرآن کریم کو جمع کرنا اس لیے تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کی قرأت کی تکذیب نہ کریں اور ان میں اختلاف نہ پیدا ہو اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ ہمیں اختلاف

سے منع کیا گیا ہے اور جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو جان لو کہ احادیث اور کتب فقہ کو مدون کرنا بھی اسی وجہ سے ہے کہ شریعت محفوظ رہے، علاوہ ازیں احادیث میں علم کی باتوں کو لکھنے کا بھی حکم ثابت ہے۔‘‘

۱۴۔ اِمام بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشیؒ (۷۹۴ھ)

علامہ بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشیؒ اپنی کتاب ’’المنثور فی القواعد‘‘ میں بدعت لغویۃ اور بدعت شرعیہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فأما فی الشرع فموضوعة للحادث المذموم، و إذا أُرید الممدوح قُیِّدَتْ و یکون ذالک مجازًا شرعیاً حقیقة لغویة(۱)

’’شرع میں عام طور پر لفظ بدعت، محدثہ مذمومہ کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن جب بدعت ممدوحہ مراد ہو تو اسے مقید کیا جائے گا لہٰذا یہ بدعت مجازاً شرعی ہوگی اور حقیقتاً لغوی ہوگی۔‘‘

۱۵۔ اِمام عبدالرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب الحنبلیؒ (۷۹۵ھ)

علامہ ابن رجب حنبلی بغدادی اپنی کتاب ”جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم“ میں بدعت کی اقسام اور اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له فی الشریعة یدلّ علیه، وأما ما کان له أصل من الشرع یدلّ علیه فلیس ببدعة شرعاً وإن کان بدعة لغة۔(۲)

(۱) زرکشی، المنثور فی القواعد، ۱: ۲۱۷

(۲) ۱۔ ابن رجب حنبلیؒ، جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم، ۱: ۲۵۲

۲۔ محمد شمس الحق، عون المعبود شرح سنن أبی داؤد، ۱۲: ۲۳۵

۳۔ عبد الرحمن مبارکپوری، تحفة الأحوذی، ۷: ۳٦٦

''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہوگا۔''

حدیث نبوی ﷺ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ موصوف رقمطراز ہیں:

من أحدث فی أمرنا هَذا ما ليس منه فهو رد[1] فكلّ من أحدث شيئا و نسبه إلى الدين ولم يكن له أصل من الدين يرجع إليه فهو ضلالة والدين بریء منه، و سواء فی ذلک مسائل الاعتقادات أو الأعمال أو الأقوال الظاهرة والباطنة. و أما ما وقع فی كلام السلف من استحسان بعض البدع فإنما ذلک فی البدع اللغوية لا الشرعية.[2]

''حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ (چیز) مردود ہے۔ پس جس کسی نے بھی کوئی نئی چیز ایجاد کی اور پھر اس کی نسبت دین کی طرف کر دی اور وہ چیز دین کی اصل میں سے نہ ہو تو وہ چیز اس کی طرف لوٹائی جائے گی اور وہی گمراہی ہو گی اور

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۳: ۱۳۴۳، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن،المقدمه الكتاب، ۱: ۷، باب تعظيم حديث رسول الله، رقم: ۱۴

۳۔ احمد بن حنبل، المسند:۶: ۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۲۰۷، رقم: ۲۶

۵۔ دار قطنى، السنن، ۴: ۲۲۴، رقم: ۷۸

(۲) ابن رجب حنبلى، جامع العلوم و الحكم فى شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم: ۲۵۲

دین اس چیز سے بری ہو گا اور اس میں اعتقادی، عملی، قولی، ظاہری و باطنی تمام مسائل برابر ہیں۔ اور بعض اچھی چیزوں میں سے جو کچھ اسلاف کے کلام میں گزر چکا ہے پس وہ بدعت لغویہ میں سے ہے، بدعت شرعیہ میں سے نہیں ہے۔''

علامہ ابن رجب بدعاتِ حسنہ کی مثالیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمن ذلک قول عمر رضی اللہ عنہ لما جمع الناس فی قيام رمضان على إمام واحد فی المسجد و خرج ورآهم يصلون كذلک فقال: نعمت البدعة هذه.[1] وروی عنه أنه قال: إن كانت هذه بدعة فنعمت البدعة. وروی عن أبیّ بن كعب قال له: إن هذا لم يكن، فقال عمر: قد علمت ولكنه حسن، ومراده أن هذا الفعل لم يكن على هذا الوجه قبل هذا الوقت، ولكن له أصل فی الشريعة يرجع إليها. فمنها أن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان يحثّ على قيام رمضان و يرغب فيه، وكان الناس فی زمنه يقومون فی المسجد جماعات متفرقة ووحدانا، وهو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلى بأصحابه فی رمضان غير ليلة ثم امتنع من ذلک معللا بأنه خشی أن يكتب عليهم فيعجزوا عن القيام به و هذا قد أمن بعده صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. وروی عنه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أنه كان يقوم بأصحابه ليالی الإفراد فی العشر الأواخر. ومنها أنه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أمر باتباع سنة خلفائه الراشدين، و هذا قد صار من سنة خلفائه الراشدين، فإن

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱:۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳:۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح موطا مالك، ۱:۱۰۵، رقم: ۲۵۰
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱:۲۶۶
۵۔ زرقانی، شرح الزرقانی على موطا الامام مالك، ۱:۳۴۰

الناس اجتمعوا عليه فی زمن عمر و عثمان و علی ﷺ. ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه[1]، و أقرّه علیٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه قال: هو بدعة[2]، ولعله أراد ما أراد أبوه فی قيام شهر رمضان. ومن ذلک جمع الصحف فی کتاب واحد توقف فيه زيد بن ثابت وقال لأبی بکر و عمر رضی الله عنهما : کيف تفعلان مالم يفعله النبی ﷺ؟[3] ثم علم أنه مصلحة فوافق علی جمعه، وقد کان النبی ﷺ يأمر بکتابة الوحی، ولا فرق بين أن يکتب مفرقا أو مجموعا بل جمعه صار أصلح. وکذلک جمع عثمان الأمة علی مصحف و إعلامه لما خالفه خشية تفرّق الأمة، وقد استحسنه علیّ و أکثر الصحابة ﷺ و کان ذلک عين

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳
۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲
۳۔ واد یاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴
۴۔ شوکانی، نيل الاوطار، ۳: ۳۲۳

(۲) ۱۔ ابن ابی شيبة، المصنف، ۱: ۴۷۰، رقم: ۵۴۳۷

(۳) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسير، باب قوله لقد جاء کم رسول، رقم: ۴۴۰۲
۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۵: ۲۸۳، کتاب التفسير، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶
۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶
۶۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱
۷۔ بيهقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۰، رقم: ۲۲۰۲

المصلحة. و كذلک قال من منع الزكاة توقف فيه عمر و غيره حتی بينه له أبوبكر أصله الذی يرجع إليه من الشريعة فوافقه الناس علی ذلک.(۱)

''بدعتِ حسنہ کے اثبات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کے لیے تمام لوگوں کومسجد میں ایک امام کی اقتداء میں جمع کیا اور پھر جب انہیں اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ ''**نعمت البدعة هذه**'' یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور آپ رضی اللہ عنہ سے کچھ اس طرح بھی مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**إن كانت هذه بدعة فنعمت البدعة**'' اگر یہ بدعت ہے تو پھر یہ اچھی بدعت ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اگرچہ یہ اس طرح نہ بھی ہو، تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ اچھی بدعت ہے اور اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ عمل اس سے پہلے اس صورت میں نہیں تھا۔ لیکن اس کی اصل شریعت میں موجود تھی جو کہ اس فعل کی طرف لوٹتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آقا علیہ السلام قیامِ رمضان پر اُبھارتے اور اس کی ترغیب دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی لوگ متفرق صورت میں قیام کیا کرتے تھے اور اکیلے اکیلے بھی قیام کیا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ ایک رات سے زیادہ راتوں میں رمضان میں نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی علت کے باعث اس سے منع فرمادیا اور وہ اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوف ہونے لگا کہ کہیں یہ ان پر فرض نہ کردی جائے اور وہ لوگ اس قیام سے عاجز آجائیں گے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصدیق بھی کردی، اور آقا علیہ السلام سے روایت کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری عشرہ

(۱) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم و الحكم فی شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم: ۲۵۲

کی طاق راتوں میں اپنے بعض صحابہ کرام کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔ اور اسی بنا پر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ کام (یعنی قیام رمضان تراویح کی صورت) خلفاء راشدین کی سنت میں سے ہوگیا۔ اور اسی طرح لوگ حضرت عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہی اس چیز پر مجتمع ہوگئے تھے اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کا اِضافہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کردیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیام رمضان کے بارے میں تھی۔ اور اسی میں سے مصحف کو ایک کتاب میں جمع کرنا ہے۔ اس پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے توقف کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ اس کام کو کیسے کر رہے ہیں جسے خود آقا علیہ السلام نے نہیں کیا؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے جان لیا کہ اس میں مصلحت ہے۔ تو پھر آپ اس کو جمع کرنے پر راضی ہوگئے۔ اور حضور علیہ السلام نے وحی کو لکھنے کا حکم دیا تھا اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ اسے متفرق یا مجموعہ کی صورت میں لکھا جائے۔ لیکن اس کو جمع کرنا زیادہ مبنی بر مصلحت ہے۔ اور اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اُمتِ مسلمہ کو ایک مصحف پر جمع کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو پالیا جس کے لوگ مخالف تھے اور جو اُمت میں تفرقہ ڈالنے والی تھی اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے درست جانا ہے اور یہ مصلحت کے عین مطابق تھا۔ اور اسی طرح زکوٰۃ نہ دینے والوں کے بارے میں (حضرت ابوبکر کا) فیصلہ اس میں عمر اور دیگر صحابہ نے توقف اختیار کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس اصل کا بتا دیا جو کہ شریعت میں سے اس کی طرف لوٹتی ہے پھر اس پر لوگ آپ سے متفق ہوگئے۔‘‘

۱۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانیؒ (المتوفی ۷۹۶ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانیؒ تصور بدعت اور اس کی تقسیم بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ’’الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری‘‘ میں لکھتے ہیں:

البدعة کل شئ عمل علی غیر مثال سابق و هی خمسة أقسام واجبة و مندوبة و محرمة و مکروهة و مباحة و حدیث کل بدعة ضلالة[(۱)] من العام المخصوص. ...... لأن رسول الله ﷺ لم یسنها ولا کانت فی زمن أبی بکر ورغب فیها بقوله نعم لیدل علی فضلها ولئلا یمنع هذا اللقب من فعلها و یقال نعم کلمة تجمع المحاسن کلها و بئس کلمة تجمع المساوئ کلها و قیام رمضان فی حق التسمیة سنة غیر بدعة لقوله علیه الصلاة والسلام (اقتدوا باللذین من بعدی أبی بکر و عمر رضی الله عنهما)[(۲)]

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب عن الرسول ﷺ، باب مناقب ابی بکر و عمر، ۵/ ۶۰۹، رقم: ۳۶۶۲
۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فی فضل اصحاب رسول الله ﷺ، ۱/ ۳۷، رقم: ۹۷
۳۔ حاکم، المستدرک، ۳/ ۷۹، رقم: ۴۴۵۱
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵/ ۳۸۲، رقم: ۲۳۲۹۳

قوله (ينامون عنها) أى فارغين عنها أى الصلاة أول الليل أفضل من الصلاة فى آخر الليل و بعضهم عكسوا و بعضهم فصلوا بين من يستوثق بالانتباه من النوم و غيره. فان قلت هذه الصلاة ليست بدعة لما ثبت من فعله ﷺ لها. قلت لم يثبت كونها أول الليل أو كل ليلة أو بهذه الصفة.(۱)

''ہر وہ چیز جس پر مثال سابق کے بغیر عمل کیا جائے وہ ''بدعت'' کہلاتی ہے اور اس کی پانچ اقسام بدعت واجبہ، بدعت مندوبۃ، بدعت محرمہ، بدعت مکروھہ اور بدعت مباحہ ہیں اور ''کل بدعة ضلالة'' والی حدیث عام مخصوص کے قاعدے کے تحت ہے...... کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس چیز کو مسنون نہیں کیا اور نہ ہی یہ کام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا اسی وجہ سے اس کو ''بدعت'' کا نام دیا گیا ہے اور لفظ ''نعم'' کے ذریعے ایسے (احسن) اُمور کی ترغیب دی گئی تاکہ یہ لفظ ان امور کی فضیلت پر دلالت کرے تاکہ محض لفظ بدعت کی وجہ سے ایسے احسن امور کے کرنے سے منع نہ کیا جائے اور جب کسی امر کے ساتھ کلمہ ''نعم'' لگا دیا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ امر تمام محاسن کا جامع ہے اور اگر لفظ ''بئس'' لگا دیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ امر تمام برائیوں کا جامع ہے۔'' اور قیام رمضان حقیقت میں سنت کا ہی نام ہے نہ کہ بدعت کا جس طرح آقا علیہ السلام نے اپنے ایک قول میں ارشاد فرمایا ''**اقتدوا بالذين من بعدی أبی بكر و عمر**'' میرے بعد میں آنے والے یعنی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول ''**ينا مون عنها**'' کا

(۱) الكرمانى، الكواكب الدرارى فى شرح صحيح البخارى، ۹:۵-۱۵۴

مطلب یہ ہے کہ وہ اس نماز سے محروم رہتے ہیں یعنی وہ اس نماز سے خالی ہیں یعنی اول وقت میں نماز پڑھنا اخر وقت میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے اور بعض نے اس کے برعکس کہا اور بعض نے فرق کیا ہے اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ نماز بدعت نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے حضور ﷺ کا فعل ثابت ہے تو میں کہتا ہوں کہ اول رات میں ہر رات میں یا اس صفت کے ساتھ اس کام کا ہونا ثابت نہیں ہے۔‘‘

۱۷۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ الوشتانی المالکیؒ (المتوفی ۸۲۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی مالکیؒ صحیح مسلم کی شرح ’’اکمال اکمال المعلم‘‘ میں حدیث شریف ’’من سن فی الاسلام سنة حسنة‘‘ کی شرح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

التعبير بلفظ السنة فی الشر مجاز من مجاز المقابلة كقوله تعالى و مكروا و مكر الله والله خير الماكرين[1] و يدخل فی السنة الحسنة البدع المستحسنة كقيام رمضان والتحضير فی المنار أثر فراغ الأذان و عند أبواب الجامع و عند دخول الإمام وكالتصبيح عند طلوع الفجر كل ذلک من الإعانة على العبادة التی يشهد الشرع باعتبارها وقد كان عليٌّ و عمر رضی اللہ عنهما يوقظان الناس لصلاة الصبح بعد طلوع الفجر واتفق أن إمام الجامع الأعظم بتونس وأظنه البرجينی حين أتى ليدخل الجامع سألته إمرأة أن يدعو لابنها الأسير و كان المؤذنون حينئذ يحضرون فی المنار فقال لها ما أصاب

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۵۴

الناس فی هذا یعنی التحضیر أشد من أمر ابنک فکان الشیخ ینکر ذلک علیه و یقول لیس انکاره بصحیح بل التحضیر من البدع المستحسنة التی شهد الشرع باعتبارها و مصلحتها ظاهرة قال وهو اجماع من الشیوخ اذ لم ینکروه کقیام رمضان والاجماع علی التلاوة ولاشک أنه لا وجه لإنکاره اِلَّا کونه بدعة ولکنها مستحسنة و یشهد لاعتبارها الأذان والإقامة فإن الأذان للأعلام بدخول الوقت والإقامة بحضور الصلاة و کذلک التحضیر هو اعلام بقرب حضور الصلاة (قوله ومن سن فی الإسلام سنة سیئه)[1] (قلت) هذه لا یشترط فیها أن ینوی الاقتداء به بدلیل حدیث ابن آدم القاتل لأخیه ان علیه کفلا من کل نفس قتلت لأنه أول من سن القتل.(۲)

''لفظ سنت کی تعبیر کچھ اس طرح ہے کہ سنت کا لفظ جو ''شرٌّ'' کے ساتھ استعمال ہوا ہے وہ مجازی طور پر استعمال ہوا ہے جو کہ مجاز کے مقابلہ میں ہے

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقه، رقم:۱۰۱۷
۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقه، رقم:۲۵۵۴
۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱ :۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، رقم:۲۰۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۵۷۔۳۵۹
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸
(۲) وشتانی، إکمال إکمال المعلم، ۷: ۱۰۹

جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ’’و مکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین‘‘ (آل عمران، ۳:۵۴) اور اسی طرح بدعت حسنہ سنت مستحسنہ میں داخل ہے جیسے رمضان المبارک میں قیام کرنا اَذان کے لئے منار اور مساجد کے دروازوں پر جانا اور اِمام کے آنے پر کھڑا ہونا اور اسی طرح صبح کے وقت ایک دوسرے کو سلام کرنا یہ اور اس جیسے دوسرے اُمور عبادت پر مددگار ہیں اور شرع ان کی تائید کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ طلوع فجر کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے اٹھاتے تھے اور اس امر پر اتفاق ہے کہ تیونس کے عظیم امام (شارع کہتا ہے کہ) میرے گمان میں وہ شیخ البرجینی تھے جب وہ جامع مسجد کی طرف آئے تو ایک عورت نے ان سے استدعا کی کہ وہ اس کے قیدی بیٹے کے لئے دعا کریں اس زمانے میں مؤذن مینار میں حاضر ہوکر اذان دیتے تھے تو انہوں نے کہا کہ اس مسئلہ میں لوگ کتنا عجیب معاملہ کرتے ہیں یعنی مینار پر حاضر ہونا تیرے بیٹے کے معاملے سے بھی زیادہ عجیب تر ہے شیخ نے اس چیز کا انکار کر دیا انہوں نے کہا کہ اُن کا انکار کرنا درست نہیں ہے کیونکہ تحضیر بدعت مستحسنۃ میں سے ہے شرع نے اس کے اعتبار اور ظاہری مصلحت کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا ہے مزید کہا کہ جب انہیں انکار نہیں ہے تو پھر اس پر شیوخ کا اجماع ہے جیسے قیام رمضان اور تلاوت کے لئے مجتمع ہونا اور بلاشبہ اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ یہ بدعت ہے لیکن یہ بدعت مستحسنۃ ہے اور اذان و اقامت کا اعتبار اس کے بدعت حسنہ ہونے کی گواہی ہے کیونکہ اذان دخولِ وقت کا اِعلان ہے اور اِقامت نماز میں حاضر ہونے کا اعلان ہے۔ اسی طرح تحضیر نماز کے قریب آنے کا اعلان ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ’’ومن سن فی

الاسلام سنة سيئة'' میں ''بدعت سیئہ'' کی اِقتدا شرط نہیں ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کا اپنے بھائی کو قتل کرنا تو اس قاتل پر ہر اس قتل کا بوجھ بھی ہوگا جو بعد میں ہوگا کیونکہ یہ وہ شخص ہے جس نے قتل کا آغاز کیا۔''

۱۸۔ اِمام ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی، ۸۵۲ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی مشہور و معروف تصنیف ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں بدعت کی تعریف اور تقسیم پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

والبدعة أصلها ما أحدث علی غير مثال سابق، و تطلق فی الشرع فی مقابل السنة فتكون مذمومة، والتحقيق أنها إن كانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی حسنة، و إن كانت مما تندرج مستقبح فی الشرع فهی مستقبحة، و إلّا فهی من قسم المباح وقد تنقسم إلی الأحكام الخمسة۔(۱)

''بدعت سے مراد ایسے نئے اُمور کا پیدا کیا جانا ہے جن کی مثال سابقہ دور میں نہ ملے اور ان اُمور کا اطلاق شریعت میں سنت کے خلاف ہو پس یہ ناپسندیدہ عمل ہے، اور بالتحقیق اگر وہ بدعت شریعت میں مستحسن ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر وہ بدعت شریعت میں ناپسندیدہ ہو تو وہ بدعت مستقبحہ یعنی بری بدعت کہلائے گی اور اگر ایسی نہ ہو تو اس کا شمار بدعت مباحہ میں ہو گا۔ بدعت کو شریعت میں پانچ اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے (واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہہ اور مباحہ)۔''

(۱) عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۴: ۲۵۳

۱۹۔ اِمام ابو محمد بدر الدین محمود العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ)

اِمام بدر الدین عینیؒ بدعت کی تعریف اور اس کی تقسیم بیان کرتے ہوئے ''عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری'' میں رقمطراز ہیں:

البدعة فی الأصل إحداث أمر لم يكن فی زمن رسول الله ﷺ. ثم البدعة علی نوعين اِن كانت مما يندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی بدعة حسنة و اِن كانت مما يندرج تحت مستقبح فی الشرع فهی بدعة مستقبحة. (۱)

''بدعت اصل میں اُس نئے کام کو بجا لانا ہے جو حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ ہوا ہو پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں اگر یہ بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آ جائے تو یہ ''بدعتِ حسنہ'' ہے اور اگر یہ شریعت کے مستقبحات کے تحت آ جائے تو یہ ''بدعتِ مستقبحة'' ہے۔''

۲۰۔ اِمام محمد بن عبدالرحمٰن شمس الدین محمود السخاویؒ (۹۰۲ھ)

علامہ شمس الدین سخاویؒ اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام پڑھنے کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب ''القول البديع فی الصلاة علی الحبيب الشفيع'' کے صفحہ ۱۹۳ پر رقمطراز ہیں:

وقد اختلف فی ذٰلک هل هو مستحب أو مكروه أو بدعة أو مشروع واستدل للأول بقوله تعالٰی و افعلوا الخير[۲]، و معلوم ان الصلوٰة و السلام من أجل القرب لا سيما وقد تواردت الاخبار علی الحث علی ذلک مع ماجاء فی فصل الدعا عقب

(۱) عينی، عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ۱۱: ۱۲۶

(۲) القرآن، الحج، ۲۲:۷۷

الأذان و الثلث الاخير من الليل و قرب الفجر و الصواب انه بدعة حسنة يؤجر فاعله بحسن نية. (۱)

''اَذان کے بعد صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے مستحب، مکروہ، بدعت یا جائز ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس کے اِستحباب پر اللہ تعالیٰ کے اس قول وافعلوا الخير سے استدلال کیا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ صلوٰۃ و سلام (حضور اکرم ﷺ کے) قُرب کے قصد سے پڑھا جاتا ہے خصوصاً جب کہ اس کی ترغیب میں کثیر احادیث وارد ہیں، علاوہ ازیں اذان کے بعد دعا میں فصل کرنے اور تہائی رات کے اَخیر میں دعا کرنے کی فضیلت میں بھی اَحادیث وارد ہوئی ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے اور اس کے فاعل کو حسن نیت کی وجہ سے اَجر ملے گا۔''

۲۱۔ اِمام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابو بکر السیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ)

امام جلال الدین سیوطیؒ اپنے فتاویٰ ''الحاوی للفتاوی'' میں علامہ نوویؒ کے حوالے سے بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن البدعة لم تنحصر في الحرام و المكروه، بل قد تكون أيضاً مباحة و مندوبة و واجبة. قال النوويؒ في تهذيب الأسماء واللُّغات، البدعة في الشرع هي إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله ﷺ وهي منقسمة إلى حسنة و قبيحة، وقال الشيخ عز الدين بن عبدالسلامؒ في القواعد: البدعة منقسمة إلى واجبة و محرمة و مندوبة و مكروهة و مباحة قال: والطريق فى ذلک أن نعرض البدعة على قواعد الشريعة فإذا دخلت فى قواعد

(۱) ۱۔ سخاوی، القول البديع فی الصلاة على الحبيب الشفيع: ۱۹۳
۲۔ سخاوی، فتح المغيث شرح الفية الحديث، ۲: ۳۲۷

الإيجاب فهى واجبة أوفى قواعد التحريم فهى محرمة أو الندب فمندوبة أو المكروه فمكروهة أو المباح فمباحة، وذكر لكل قسم من هذه الخمسة أمثلة إلى أن قال: و للبدع المندوبة أمثلة، منها أحداث الربط والمدارس وكل إحسان لم يعهد فى العصر الأول، ومنها التراويح والكلام فى دقائق التصوف وفى الجدل، ومنها جمع المحافل للإستدلال فى المسائل إن قصد بذلك وجه الله تعالى. (۱)

''بدعت حرام اور مکروہ تک ہی محصور نہیں ہے بلکہ اسی طرح یہ مباح، مندوب اور واجب بھی ہوتی ہے جیسے کہ امام نووی اپنی کتاب ''تہذیب الاسماء و اللغات'' میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں بدعت اس عمل کو کہتے ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ ہوا ہو اور یہ بدعت، بدعت حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم ہوتی ہے اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام اپنی کتاب قواعدالاحکام فی مصالح الانام میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بدعت کی تقسیم واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم بدعت کو شریعت کے قواعد پر پیش کریں اگر وہ بدعت قواعدِ ایجاب کے تحت داخل ہو تو واجب ہے اور اگر قواعد تحریم کے تحت داخل ہو تو حرام ہے اور اگر قواعدِ اِستحباب کے تحت داخل ہو تو مستحب ہے اور اگر کراہت کے قاعدہ کے تحت داخل ہو تو مکروہ اور اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے اور انہوں نے ان پانچ اقسام کی مثالیں بیان کی ہیں جیسے کہ بدعت مندوبہ کی مثال سرائے اور مدارس وغیرہ تعمیر کرنا

(۱) ۱۔ سیوطی، الحاوی للفتاویٰ، ۱: ۱۹۲

۲۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجہ، ۱:۶

۳۔ سیوطی، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، ۲:۴۴۵

اور ہر وہ اچھا کام جو پہلے زمانے میں نہیں ہوا جیسے کہ نماز تراویح اور علم التصوف کے متعلق گہری معلومات اور مجادلہ سے متعلق معلومات وغیرہ اور اسی میں سے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے مسائل میں استدلال کے لئے محافل کا انعقاد کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔‘‘

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول ’’نعمت البدعة هذه‘‘ کے ذیل میں نماز تراویح کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

عن عمر أنه قال فی التراویح: نعمت البدعة هذه[(۱)] والتی ینامون عنها أفضل فسماها بدعة– یعنی بدعة حسنة– و ذلک صریح فی أنهالم تکن فی عهد رسول الله ﷺ، و قد نص علی ذلک الإمام الشافعی و صرح به جماعات من الأئمة منهم الشیخ عز الدین بن عبد السلام حیث قسم البدعة إلی خمسة أقسام و قال: ومثال المندوبة صلاة التراویح و نقله عنه النووی فی تهذیب الأسماء و اللغات، ثم قال و روی البیهقی بإسناده فی مناقب الشافعی عن الشافعی قال: المحدثات فی الأمور ضربان، أحدهما ما أحدث مما خالف کتابا أو سنة أو أثرا أو اجماعا فهذه البدعة الضلالة. والثانی ما أحدث من الخیر و هذه محدثة غیر مذمومة و قد قال عمر فی قیام شهر رمضان: نعمت البدعة هذه– یعنی أنها محدثة لم تکن– (۲)

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بیهقی، شعب الایمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱/۲۶۶
۴۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك، ۱/۳۴۰
(۲) سیوطی، الحاوی للفتاوی، ۱/۳۴۸

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے تراویح کے بارے میں فرمایا یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے ہیں یہ حصہ اس سے بہتر ہے آپ نے اسی وجہ سے اسے بدعت یعنی بدعت حسنہ کا نام دیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ چیز آقا علیہ السلام کے زمانے میں نہیں تھی اور اس پر امام شافعیؒ نے نص پیش کی ہے اور پھر ائمہ کی جماعتوں نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ ان میں سے ایک شیخ عزالدین بن عبد السلام ہیں جنہوں نے بدعت کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے اور انہوں نے مندوب کی مثال نمازِ تراویح سے بیان کی ہے اور ان سے امام نوویؒ نے اپنی کتاب ''تھذیب الاسماء و اللغات'' میں نقل کیا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ امام بیہقی نے بھی اپنی سند کے ساتھ مناقب شافعی میں بیان کیا ہے۔ امام شافعی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا محدثات الامور کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک احداث ایسا ہے جو کہ کتاب، سنت، اثر صحابہ (یعنی قول صحابہ) اور اجماع کے مخالف ہے وہی بدعت ضلالہ ہے اور دوسرا احداث جو کہ خیر میں سے ہے اور یہ احداث غیر مذموم ہے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ماہ رمضان میں قیام (یعنی نماز تراویح) کے بارے میں کہا ''نعمتِ البدعَةُ هَذِهِ'' یہ کتنی اچھی بدعت ہے، یعنی یہ ایسا محدثہ ہے جو پہلے نہیں تھا۔''

۲۲۔ اِمام ابوالعباس اَحمد بن محمد شہاب الدین القسطلانیؒ (۹۱۱ھ)

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان ''نعم البدعة هذه'' کے ضمن میں بدعت کی تعریف اور تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نعم البدعة هذه(۱) سماها بدعة لأنه ﷺ لم يسن لهم الاجتماع

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

لها ولا كانت فی زمن الصديق ولا أول الليل ولا كل ليلة و لا هذا العدد. و هی خمسة واجبة و مندوبة و محرمة و مكروهة و مباحة و حديث "كل بدعة ضلالة"(۱) من العام المخصوص و قد رغب فيها عمر بقوله نعم البدعة و هی كلمة تجمع المحاسن كلها كما أن بئس تجمع المساوی كلها و قيام رمضان ليس بدعة لأنه ﷺ قال اقتدوا باللذين من بعدی ابی بكر و عمر(۲) (رضی اللہ عنہما) و إذا أجمع الصحابة مع عمر رضی اللہ عنہ على ذلک زال عنه اسم البدعة. (۳)

"نعم البدعة هذه" کے تحت نمازِ تراویح کو بدعت کا نام دیا گیا کیونکہ آقا علیہ السلام نے تراویح کے لئے اجتماع کو مسنون قرار نہیں دیا اور نہ ہی اس طریقے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (پابندی کے ساتھ) رات کے اِبتدائی حصے میں تھی اور نہ ہی مستقلاً ہر رات پڑھی جاتی تھی اور نہ ہی (تراویح

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۵: ۴۴، كتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب المناقب عن الرسول ﷺ، باب مناقب ابی بكر و عمر، ۵/۶۰۹، رقم: ۳۶۶۲
۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فی فضل اصحاب رسول الله ﷺ، ۱/۳۷، رقم: ۹۷
۳۔ حاكم، المستدرك، ۳/۷۹، رقم: ۴۴۵۱

(۳) قسطلانی، ارشاد الساری لشرح صحيح البخاری، ۳: ۴۲۶

کی رکعات کا) یہ عدد متعین تھا اور بدعت کی درج ذیل پانچ اقسام واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروھہ، اور مُبَاحہ ہیں اور جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ”کل بدعۃ ضلالہ“ یعنی ہر بدعت گمراہی ہے یہ حکم عام ہے مگر اس سے مراد مخصوص قسم کی بدعات ہیں اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے قول ”نعم البدعۃ ھذہ“ سے اس (بدعت حسنہ) کی ترغیب دی ہے اور یہ کلمہ (یعنی لفظ نعم) اپنے اندر تمام محاسن سموئے ہوئے ہے جس طرح کہ لفظ بئس اپنے اندر تمام برائیاں سموئے ہوئے ہے۔ رمضان المبارک میں (نماز تراویح) کا قیام بدعت (یعنی بدعت سیئہ) نہیں ہے کیونکہ آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرنا اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ قیام رمضان پر اتفاق کیا تو اس طرح قیام رمضان سے بدعت کا اطلاق ختم ہو گیا۔“

۲۳۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن یوسف صالحی الشامیؒ (۹۴۲ھ)

امام محمد بن یوسف صالحی شامیؒ اپنی معروف کتاب ”سبل الھدی و الرشاد“ میں علامہ تاج الدین فاکہانی کے اس مؤقف ”أن الابتداع فی الدین لیس مباحًا“ کا محاکمہ کرتے ہیں اور اس ضمن میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أن البدعة لم تنحصر في الحرام والمكروه، بل قد تكون أيضاً مباحة و مندوبة و واجبة. قال النوويؒ في تهذيب الأسماء واللُّغات: البدعة في الشرع: هي ما لم يكن في عهد رسول الله ﷺ وهي منقسمة إلى حسنة و قبيحة. وقال الشيخ عز الدين بن عبدالسلام رحمة الله تعالى في القواعد: البدعة منقسمة إلى واجبة و إلى محرمة و مندوبة و مكروهة و مباحة.(۱)

(۱) صالحی، سبل الھدی والرشاد، ۱: ۳۷۰

''بدعت کا انحصار صرف حرام اور مکروہ پر نہیں ہے بلکہ بدعت اسی طرح مباح مندوب اور واجب بھی ہوتی ہے۔ اِمام نوویؒ اپنی کتاب ''تھذیب الأسماء واللُّغات'' میں فرماتے ہیں شریعت میں بدعت اس عمل کو کہتے ہیں جو عہد رسالت مآب ﷺ میں نہ ہوا ہو اور یہ بدعتِ حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم کی جاتی ہے شیخ عزالدین بن عبدالسلام اپنی کتاب قواعد الاحکام میں فرماتے ہیں بدعت واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح میں تقسیم ہوتی ہے۔''

۲۴۔ اِمام عبدالوهاب بن احمد علی الشعرانیؒ (۹۷۳ھ)

اِمام عبدالوہاب بن احمد علی الشعرانیؒ اپنی کتاب ''الیواقیت و الجواهر فی بیان عقائد الأکابر'' میں ایک اِستفتاء کے جواب میں بدعتِ حسنہ کے شرعی حکم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(فإن قلت): فهل يلحق بالسنة الصحيحة في وجوب الإذعان لها ما ابتدعه المسلمون من البدع الحسنة؟ (فالجواب): كما قاله الشيخ في الباب الثاني و الستين و مائتين: إنه يندب الإذعان لها ولا يجب كما أشار إليه قوله تعالى: وَرَهْبَانِيَّةً أبْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَهَا عَلَيْهِمِ[1] وكما أشار إليها قوله ﷺ: (من سن سنة حسنة،[2]

---

(۱) القرآن، الحدید، ۵۷:۲۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴
۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، رقم: ۲۰۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹ ←

فقد أجاز لنا ابتداع کل ما کان حسناً وجعل فیه الأجر لمن ابتدعه و لمن عمل به مالم یشق ذلک علی الناس). (۱)

’’اگر تو اعتراض کرے کہ بدعت حسنہ میں سے جو نئی چیز مسلمانوں نے اختیار کی ہے کیا وہ وجوب اِقرار میں سنت صحیحہ کے ساتھ (درجہ میں) مل جاتی ہے؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس نئی چیز یعنی بدعت حسنہ کا اقرار کرنا مندوب ہے نہ کہ واجب جیسا کہ اس چیز کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے ’’**ورھبانیة ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم**‘‘ (الحدید، ۵۷:۲۷) ’’انہوں نے اس رہبانیت کو ازخود شروع کر لیا تھا یہ ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی‘‘ اور جیسا کہ اسی چیز کی طرف حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اشارہ کرتا ہے (**من سن سنة حسنة**) ’’جس نے کوئی اچھا طریقہ شروع کیا اور ہر وہ چیز جو اچھی ہو اسے شروع کرنا ہمارے لیے جائز ہے اور اس میں شروع کرنے والے کے لئے اور اس پر عمل کرنے والے کے لئے اجر رکھ دیا گیا ہے جب تک اس اچھی چیز پر عمل کرنا لوگوں کو مشقت میں نہ ڈالے۔‘‘

۲۵۔ اِمام احمد شہاب الدین ابن الحجر المکی الہیتمیؒ (۹۷۴ھ)

علامہ ملا علی قاریؒ کے اُستاد اِمام ابن حجر مکیؒ ’’**الفتاویٰ الحدیثیه**‘‘ میں ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

و قول السائل نفع اللہ به وھل الاجتماع للبدع المباحة جائز جوابه نعم ھو جائز قال العزالدین بن عبدالسلام رحمه اللہ تعالی البدعة فعل مالم یعھد فی عھد النبی ﷺ و تنقسم إلی خمسه

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

۶۔ دارمی، السنن، ۱: ۱۴۱، رقم: ۵۱۴

(۱) شعرانی، الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الأکابر، ۲:۲۸۸

أحكام يعنى الوجوب والندب الخ وطريق معرفة ذلک أن تعرض البدعة على قواعد الشرع فأى حكم دخلت فيه فهى منه فمن البدع الواجبة تعلم النحو الذى يفهم به القرآن والسنة ومن البدع المحرمة مذهب نحو القدرية ومن البدع المندوبة احداث نحو المدارس والاجتماع لصلاة التراويح ومن البدع المباحة المصافحة بعد الصلاة ومن البدع المكروهة زخرفة المساجد والمصاحف أى بغير الذهب والا فهى محرمة وفى الحديث ''كل بدعة ضلالة و كل ضلالة فى النار''(۱) وهو محمول على المحرمة لا غير .(۲)

''اور سائل کا یہ قول (اللہ تعالیٰ اس سائل کو نفع دے) کہ کیا بدعت مباحہ کے لئے اجتماع جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ایسا کرنا جائز ہے، شیخ عز الدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں: بدعت ایسا فعل ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ تھا اور بدعت کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی واجب اور ندب ...... الخ، اور اس کی پہچان کا طریقہ کار یہ ہے کہ بدعت کو قواعد شرعیہ پر پرکھا جائے گا پس جس حکم میں وہ بدعت داخل ہوگی تو وہ حکم اس پر لاگو ہوگا

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴:۲۰۰، کتاب السنة، باب فى لزوم السنة، رقم:۴۶۰۷

۲۔ ترمذى، الجامع الصحيح، ۵:۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فى الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱:۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴:۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱:۱۷۸، رقم: ۵

(۲) ابن حجر مکى، الفتاوىٰ الحديثية: ۱۳۰

الغرض بدعت واجبہ میں سے نحو کا علم سیکھنا ہے جس سے قرآن اور سنت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اور بدعت محرمہ میں سے نئے مذہب کا اِیجاد کرنا جیسے قدر یہ، اور بدعت مندوبہ میں سے قیام مدارس اور نماز تراویح جماعت کے ساتھ ادا کرنا، اور بدعت مباحہ میں نماز کے بعد مصافحہ کرنا، اور بدعت مکروہہ میں سے مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا یعنی سونا استعمال کئے بغیر بصورت دیگر یہ بدعت محرمہ ہوگی اور حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ ”کل بدعة ضلالة“ اور ”کل ضلالة فی النار“ اس سے مراد بدعت محرمہ ہے اس کے علاوہ اور کچھ مراد نہیں ہے۔“

۲۶۔ شیخ محمد شمس الدین الشربینی الخطیبؒ (۹۷۷ھ)

دسویں صدی ہجری کے معروف شافعی عالم دین الشیخ محمد شمس الدین الشربینی الخطیبؒ اپنی کتاب ”مغنی المحتاج الی معرفة معانی ألفاظ المنهاج“ میں لفظ ”وَتُقْبَلُ شَهَادَة مُبْتَدِعٍ لاَ نُكَفِّرُه“ کے ذیل میں شیخ عزالدین بن عبد السلام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

البدعة منقسمة إلي واجبة و محرمة و مندوبة و مكروهة و مباحة. قال و الطريق فی ذلک أن تعرض البدعة علی قواعد الشريعة، فان دخلت فی قواعد الإيجاب فهی واجبة كالاشتغال بعلم النحو أو فی قواعد التحريم فمحرمة كمذهب القدرية و المرجئة و المجسمة و الرافضة. قال والرد علی هؤلاء من البدع الواجبة: أی لأن المبتدع من أحدث فی الشريعة مالم يكن فی عهده صلی الله عليه وسلم، أو فی قواعد المندوب فمندوبة كبناء الربط و المدارس و كل إحسان لم يحدث فی العصر الأول كصلاة التراويح، أو فی قواعد المكروه فمكروه كزخرفة المساجد و تزويق المصاحف، أو فی قواعد المباح فمباحة

كالمصافحة عقب الصبح و العصر و التوسع فى المآكل والملابس، و روى البيهقى بإسناده فى مناقب الشافعى رضى الله تعالى عنه: أنه قال: المحدثات ضربان: أحدهما ما خالف كتابا أو سنة أو إجماعا فهو بدعة و ضلالة: و الثانى ما أحدث من الخير فهو غير مذموم. (۱)

''بدعت کی تقسیم واجبہ، محرمہ، مندوبہ، مکروھۃ اور محرمہ میں ہوتی ہے اور انہوں نے کہا اس کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کو قواعدِ شریعت کے مطابق پرکھا جائے گا۔ اگر وہ وجوب کے قواعد میں داخل ہوئی تو وہ بدعت واجبہ ہو گی جیسے علم النحو کے حصول میں مشغول ہونا یا وہ بدعت قواعد تحریم میں داخل ہو گی تو پھر وہ بدعت محرمہ ہو گی جیسے مذہب قدریہ، مرجئہ، مجسمہ اور رافضہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان تمام (باطل مذاہب) کا رد کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے کیونکہ مبتدع (بدعتی) نے شریعت میں ایسی چیز ایجاد کی ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھی یا پھر وہ مستحب کے قواعد میں داخل ہوگئی تو وہ بدعت مستحبہ ہو گی جیسے سرائے اور مدارس وغیرہ تعمیر کرنا اور ہر وہ اچھی چیز جو پہلے زمانے میں ایجاد نہ ہوئی ہو جیسے نماز تراویح وغیرہ۔ یا پھر وہ قواعد مکروہ میں داخل ہوگی تو وہ بدعت مکروہ ہو گی جیسے مسجدوں کی تزئین اور مصاحف پر نقش نگار کرنا یا وہ قواعد مباح میں داخل ہو گی تو وہ مباح کہلائے گی جیسے (نماز) فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے اور پینے میں وسعت (اختیار) کرنا اور اسی طرح امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ مناقب شافعی میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ محدثات کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک وہ جو کتاب و سنت یا اجماع کے مخالف ہے وہی بدعت ضلالہ ہے اور دوسری وہ جو خیر میں سے ایجاد کی گئی ہو پس وہی بدعت غیر مذموم ہے۔''

(۱) شربینى، مغنى المحتاج الى معرفة معانى ألفاظ المنهاج، ۴:۴۳۶

۲۷۔ اِمام ملا علی بن سلطان محمد القاریؒ (۱۰۱۴ھ)

اِمام ملا علی قاریؒ اپنی کتاب مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں بدعت کی اُقسام اور ان کی تفصیلات کے باب میں فرماتے ہیں:

قال الشيخ عز الدين بن عبدالسلام فی آخر كتاب القواعد البدعة أما واجبة كتعلم النحو لفهم كلام الله و رسوله و كتدوين أُصول الفقه و الكلام فی الجرح و التعديل، وأما محرمة كمذهب الجبرية والقدرية والمرجئة والمجسمة والرد على هؤلاء من البدع الواجبة لأن حفظ الشريعة من هذه البدع فرض كفاية، و أما مندوبة كاحداث الربط والمدارس وكل إحسان لم يعهد فی الصدر الأول و كالتراويح أی بالجماعة العامة و الكلام فی دقائق الصوفية. و أما مكروهة كزخرفة المساجد و تزويق المصاحف يعنی عند الشافعية و أما عند الحنفية فمباح، وأما مباحة كالمصافحة عقيب الصبح والعصر أی عند الشافعية ايضًا وإلا فعند الحنفية مكروه والتوسع فی لذائذ الماكل والمشارب والمساكن وتوسيع الاكمام۔(۱)

’’شیخ عزالدین بن عبد السلام ’’القواعد البدعة‘‘ کے آخر میں فرماتے ہیں۔ بدعت واجبہ میں قرآن اور حضور ﷺ کے کلام کو سمجھنے کے لیے نحو کا سیکھنا، اصول فقہ کی تدوین کرنا اور علم جرح و تعدیل کا حاصل کرنا ہے، جبکہ بدعت محرمہ میں نئے مذاہب کا وجود ہے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ اور مجسمہ اور ان تمام کا رد بدعت واجبہ سے کیا جائے گا کیونکہ اسی بدعت سے شریعت کی حفاظت کرنا فرض کفایہ ہے، جبکہ بدعت مندوبہ میں سرائے اور مدارس کا قیام

(۱) ۱۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتيح شرح مشکاۃ المصابيح، ۱: ۲۱۶

اور ہر قسم کی نیکی کا فروغ جو اسلام کے ابتدائی دور میں نہ تھی جیسے باجماعت نماز تراویح اور تصوف کے پیچیدہ نکات و رموز پر گفتگو کرنا شامل ہیں۔ بدعت مکروہ میں شوافع کے ہاں مساجد اور قرآن کی تزئین و آرائش کرنا ہے جبکہ احناف کے ہاں یہ مباح ہے، اور بدعت مباحہ میں شوافع کے ہاں فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا اور احناف کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور اسی طرح لذیذ کھانے، پینے اور گھروں اور آستینوں کو وسیع کرنا (بھی بدعت مباحہ) میں شامل ہے۔‘‘

کل بدعة ضلالة کی شرح

۱۔ اِمام ملا علی قاریؒ حدیث مبارکہ ’’کل بدعة ضلالة‘‘ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أی کل بدعة سیئة ضلالة، لقوله علیه الصلوة والسلام ’’من سنّ فی الاسلام سنّة حسنة فله اجرها و أجر من عمل بها‘‘[۱] و جمع أبوبکر و عمر القرآن و کتبه زید فی المصحف و جدد فی عهد عثمان رضی اللہ عنہم۔(۲)

’’یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ’’جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس عمل کا اور اس پر عمل کرنے

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴
۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، رقم: ۲۰۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔ ۳۵۹
(۲) ۱۔ ملا علی قاری، مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، ۱: ۲۱۶

والے کا اجر ملے گا۔‘‘ اور یہ کہ حضرت شیخین ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو جمع کیا اور حصرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کو صحیفہ میں لکھا اور عہد عثمانی میں اس کی تجدید کی گئی۔‘‘

۲۔ اِمام ابن حجر مکیؒ (متوفی، ۹۷۶ھ) اِسی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و فی الحديث کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار(۱) و هو محمول علی المحرمة لا غير۔(۲)

’’اور جو حدیث میں ہے کہ ’’ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی‘‘ اس حدیث کو بدعت محرمہ پر محمول کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اور کسی پر نہیں۔‘‘

۲۸۔ الشیخ عبدالحمید الشروانیؒ (ھ)

علامہ شیخ عبدالحمید الشروانی اپنی کتاب ’’حواشی الشروانی‘‘ میں بدعت کا حکم اور اس کی تفصیلات نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴:۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم:۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۵:۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱:۱۵، رقم: ۴۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴:۱۲۶
۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱:۱۷۸، رقم:۵
۶۔ طبرانی، مسند الشاميين، ۱:۴۴۶، رقم: ۷۸۶
۷۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۸:۲۴۹، رقم: ۶۲۴
(۲) ابن حجر مکی، الفتاوی الحديثيه: ۱۳۰

(قوله لا نكفره ببدعته) قال الزركشي و لا نفسقه بها (فائدة) قال ابن عبد السلام البدعة منقسمة إلى واجبة و محرمة و مندوبة و مكروهة و مباحة قال والطريق فى ذلک أن تعرض البدعة على قواعد الشريعة فان دخلت فى قواعد الإيجاب فهى واجبة كالاشتغال بعلم النحو أو فى قواعد التحريم فمحرمة كمذهب القدرية والمرجئة والمجسمة والرافضة قال والرد على هؤلاء من البدع الواجبة أى لان المبتدع من أحدث فى الشريعة ما لم يكن فى عهده صلى الله عليه وسلم أو فى قواعد المندوب فمندوبة كبناء الربط والمدارس و كل إحسان لم يحدث فى العصر الأول كصلاة التراويح أو فى قواعد المكروه فمكروهة كزخرفة المساجد و تزويق المصاحف أو فى قواعد المباح فمباحة كالمصافحة عقب الصبح و العصر والتوسع فى المأكل و الملابس وروى البيهقى بإسناده فى مناقب الشافعى أنه قال المحدثات ضربان أحدهما ما خالف كتابا أوسنة أو اجماعا فهو بدعة و ضلالة و الثانى ما أحدث من الخير فهو غير مذموم.(۱)

''شارح علامہ عبدالحمید الشروانی مبتدع کے بارے میں مؤلف کی عبارت ''لا نكفره ببدعه'' اور امام زرکشی کے الفاظ ''ولا نفسقه بها'' کے حوالے سے بدعت کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عزالدین بن عبدالسلام نے کہا ہے کہ بدعت واجبہ، محرمہ، مندوبہ، مکروھۃ اور محرمہ کے تحت تقسیم ہوتی ہے اور انہوں نے کہا اس کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کو قواعد شریعت کے مطابق پرکھا جائے گا۔ اگر وہ وجوب کے قواعد میں داخل ہوئی تو وہ بدعت واجبہ ہوگی جیسے علم النحو کے حصول میں مشغول ہونا یا وہ بدعت قواعد تحریم میں داخل ہوگی تو پھر وہ بدعت محرمہ ہوگی جیسے مذہب قدریہ، مرجئہ، مجسمہ اور رافضہ (کو رواج دینا بدعت محرمہ) ہے۔ انہوں

(۱) شروانی، حواشی الشروانی، ۱۰:۲۳۵

نے کہا کہ ان تمام (باطل مذاہب) کا رد کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے کیونکہ مبتدع (بدعتی) نے شریعت میں ایسی چیز ایجاد کی ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھی یا پھر وہ مستحب کے قواعد میں داخل ہو گئی تو وہ بدعت مستحبہ ہو گی جیسے سرائے اور مدارس وغیرہ تعمیر کرنا اور ہر وہ اچھی چیز جو پہلے زمانے میں ایجاد نہیں ہوئی ہو جیسے نماز تراویح وغیرہ یا پھر وہ قواعد مکروہ میں داخل ہو گی تو وہ بدعت مکروہہ ہو گی جیسے مسجدوں کی تزئین اور مصاحف پر نقش نگار کرنا یا وہ قواعد مباح میں داخل ہو گی تو وہ چیز مباح کہلائے گی جیسے (نماز) فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے میں وسعت (اختیار) کرنا اور اسی طرح امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ مناقب شافعی میں بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ محدثات کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک وہ جو کتاب وسنت یا اجماع کے مخالف ہے وہی بدعت ضلالہ ہے اور دوسری وہ جو خیر میں سے ہو پس وہی پسندیدہ ہے۔‘‘

۲۹۔ امام محمد عبدالرؤوف زین الدین المناوی الشافعیؒ (۱۰۳۱ھ)

امام محمد عبدالرؤوف المناوی اپنی کتاب ’’فیض القدیر شرح الجامع الصغیر،، میں بدعت کی تقسیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

المراد بالبدعة هنا اعتقاد مذهب القدرية أو الجبريه أو المرجئه أو المجسمة و نحوهم فإن البدعة خمسة أنواع وهي هذه واجبة و هي نصب أدلة المتكلمين للرد على هؤلاء و تعلم النحو الذي به يفهم الكتاب والسنة و نحو ذلک و مندوبة کإحداث نحو رباط و مدرسة وكل إحسان لم يعهد في الصدر الأول و مكروهة كزخرفة مسجد و تزويق مصحف و مباحة كالمصافحة عقب صبح و عصر و توسع في لذيذ مأكل و مشرب و ملبس و مسكن و لبس طيلسان و توسيع أكمام ذكره النووي في تهذيبه.(۱)

(۱) مناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ۱: ۴۳۹

''بدعت سے مراد مذہب قدریہ، جبریہ، مرجئہ، مجسمہ اور دیگر مذاہب باطلہ کے عقائد ہیں۔ بے شک بدعت کی پانچ اقسام ہیں اور وہ یہ ہیں پہلی بدعت واجبہ ہے اور وہ یہ کہ ان تمام مذاہب کو رد کرنے کے لئے متکلمین کے دلائل پیش کرنا اور اسی طرح علم نحو کا سیکھنا تاکہ قرآن وسنت کو سمجھا جا سکے اور اس جیسے دیگر علوم کا حاصل کرنا بدعت واجبہ میں سے ہے اور اسی طرح سرائے اور مدارس وغیرہ بنانا اور ہر اچھا کام جو کہ زمانہ اول میں نہ تھا اسے کرنا بدعت مستحبہ میں شامل ہے اور اسی طرح مسجد کی تزئین اور قرآن مجید کے اوراق کو منقش کرنا بدعت مکروھہ میں شامل ہے اور اسی طرح (نماز) فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا اور لذیذ کھانے، پینے، پہننے، رہنے اور سبز چادر استعمال کرنے میں توسیع کرنا اور آستینوں کا کھلا رکھنا بدعت مباحہ میں سے ہے۔ اس کو امام نووی نے اپنی ''تھذیب'' میں بیان کیا ہے۔''

۳۰۔ اِمام علی بن برھان الدین حلبیؒ (۱۰۴۴ھ)

علامہ حلبیؒ قیامِ تعظیمی اور انعقادِ محفلِ میلاد کی بحث میں بدعتِ حسنہ اور بدعتِ مذمومہ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و هذا القيام بدعة لا أصل لها أی لكن هی بدعة حسنة لانه ليس كل بدعة مذمومة و قد قال سيدنا عمر ﷺ فی اجتماع الناس لصلاة التراويح نعمت البدعة(۱) و قد قال العز بن عبدالسلام ان البدعة تعتريها الاحكام الخمسة و ذكر من أمثلة كل ما يطول

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱/۲۶۶
۵۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك، ۱/۳۴۰

ذكره ولا ينافى ذلك قوله ﷺ إياكم و محدثات الأمور فان كل بدعة ضلالة[1] و قوله ﷺ من أحدث فى أمرنا[2] أى شرعنا ما ليس منه فهو رد عليه لأن هذا عام أريد به خاص فقد قال إمامنا الشافعى قدس الله سره ما أحدث و خالف كتابا أو سنة أو اجماعا أو أثرا فهو البدعة الضلالة و ما أحدث من الخير ولم يخالف شيأ من ذلك فهو البدعة المحمودة و قد وجد القيام عند ذكر اسمه ﷺ من عالم الامة و مقتدى الائمة دينا و ورعا الامام تقى الدين السبكى و تابعه على ذلك مشايخ الاسلام فى عصره فقد حكى بعضهم ان الامام السبكى اجتمع عنده جمع كثير من علماء عصره فانشد منشد قول الصرصرى فى مدحه ﷺ !

قليل لمدح المصطفى الخط بالذهب
على ورق من خط أحسن من كتب

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب اجتناب البدع الجدل، ۱/ ۱۸، رقم: ۴۶
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱/ ۱۸۶، رقم: ۱۰
۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۹/ ۹۶، رقم: ۸۵۱۸
۴۔ ابويعلی، المسند، ۴/ ۸۵، رقم: ۲۱۱۱
۵۔ دیلمی، المسند الفردوس، ۱/ ۳۸۰، رقم: ۱۵۲۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۳: ۱۳۴۳، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸
۲۔ ابن ماجه، السنن،المقدمه الكتاب، ۱: ۷، باب تعظيم حديث رسول الله، رقم: ۱۴
۳۔ احمد بن حنبل، المسند:۶ :۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۲۰۷، رقم: ۲۶
۵۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۲۲۴، رقم: ۷۸

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

و ان تنهض الاشراف عند سماعه
قیاما صفوفا أو جثیاء علی الرکب

فعند ذلک قام الامام السبکی رحمہ اللہ و جمیع من فی المجلس فحصل انس کبیر بذلک المجلس و یکفی مثل ذلک فی الاقتداء و قد قال ابن حجر الهیثمی والحاصل أن البدعة الحسنة متفق علی ندبها و عمل المولد و اجتماع الناس له کذلک أی بدعة حسنة.(۱)

''یہ قیام بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن یہ بدعت حسنہ ہے کیونکہ ہر بدعت مذموم نہیں ہوتی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے نماز تراویح کے لیے جمع ہونے کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایک اچھی بدعت ہے۔ عز بن عبدالسلام بیان کرتے ہیں کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں اور پھر انہوں نے ہر ایک کی مختلف مثالیں بھی بیان کی ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث بنے گا۔ یہ چیز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان "ایاکم و محدثات الأمور فإن کل بدعة ضلالة" اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان "من أحدث في أمرنا (ای شرعنا) مالیس منه فهورد '' کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ وہ عام ہے جس سے مراد خاص ہے۔ پس ہمارے امام شافعی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ جس نے کوئی احداث کیا اور کتاب، سنت اور اجماع یا اثر کی مخالفت کی تو اس کا یہ عمل ''بدعت ضلالہ'' قرار پائے گا اور جس نے کسی نیک کام کی پہل کی اور کتاب، سنت اور اجماع یا اثر کی مخالفت نہ کی تو اس کا یہ عمل ''بدعت محمودہ'' کے زمرے میں آئے گا۔ تحقیق آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے نام نامی کے ذکر جمیل کے وقت اس اُمت کے ایک جید عالم اور دین و ورع میں ائمہ کے امام امام تقی الدین سبکیؒ سے قیام ثابت ہے اور آپ کے زمانہ میں مشائخِ اسلام نے

(۱) حلبی، السیرة الحلبیة، ۱: ۸۳

اس عمل میں آپ کی اتباع کی ہے۔ اور بعض نے یہ حکایت بھی بیان کی ہے کہ امام سبکیؒ کے ہاں آپ کے زمانہ کے علماء کا ایک جمع غفیر جمع تھا پس پڑھنے والے نے حضور نبی اکرم ﷺ کی مدح میں صرصری کے یہ اشعار پڑھے۔

قليل لمدح المصطفى الخط بالذهب
على ورق من خط أحسن من كتب
و ان تنهض الاشراف عند سماعه
قياما صفوفا أو جثياء على الركب

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی مدح میں ورق پر سونے کے خط کے ساتھ نہایت خوبصورت انداز میں لکھنا بھی کم ہے اور یہ بھی کم ہے کہ آپ ﷺ کے ذکر جمیل کے وقت سردار صفیں بنا کر کھڑے ہوجائیں یا گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں۔‘‘

یہ سن کر امام سبکی علیہ الرحمۃ کھڑے ہوگئے اور وہ تمام لوگ بھی کھڑے ہوگئے جو اس مجلس میں موجود تھے۔ پس اس مجلس میں ایک اُنس و محبت کی فضا پیدا ہوگئی اور اس طرح کی مثال اقتداء و پیروی کے لئے کافی ہے اور ابن حجر ہیثمی بیان کرتے ہیں کہ بدعتِ حسنہ کے مندوب ہونے پر اتفاق ہے۔اور مولد منانے کا عمل اور لوگوں کا اس کے لئے اکٹھا ہونا بدعت حسنہ ہے‘‘۔

۳۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب ’’**أشعة اللمعات**‘‘ میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض بدعتها ست که واجب است چنانچه تعلم و تعلیم صرف و نحو که بداں معرفت آیات و احادیث حاصل گردد و حفظ غرائب کتاب و سنت و دیگر چیز هائیکه حفظ دین وملت برآں موقوف بود، و بعض مستحسن و

مستحب مثل بنائے رباطہا و مدرسہا، وبعض مکروہ مانند نقش و نگار کردن مساجد و مصاحف بقول بعض و بعض مباح مثل فراخی در طعامهائے لذیذہ و لباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشند و باعث طغیان و تکبر و مفاخرت نشوند، و مباحات دیگر کہ در زمان آنحضرت ﷺ نبودند چنانکہ بیری و غربال و مانند آن، و بعض حرام چنانکہ مذاہب اہل بدع و اھو ابر خلاف سنت و جماعت و انچہ خلفاے راشدین کردہ باشند۔(۱)

’’بعض بدعتیں ایسی ہیں جو کہ واجب ہیں مثلاً علمِ صرف ونحو کا سیکھنا اور سکھانا کہ ان کے ذریعے آیات و احادیث کے معانی کی صحیح پہچان ہوتی ہے، اسی طرح کتاب و سنت کے غرائب اور دوسری بہت سی چیزوں کو حفظ کرنا جن پر دین و ملت کی حفاظت موقوف ہے۔ اور کچھ بدعات مستحسن اور مستحب ہیں جیسے سرائے اور دینی مدرسے تعمیر کرنا، اور بعض بدعات بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہیں جیسے مساجد اورقرآن حکیم کی آرائش و زیبائش کرنا۔ بعض بدعات مباح ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور لباس فاخرہ کی فراوانی کا حسبِ ضرورت اِستعمال، لیکن شرط یہ ہے کہ حلال ہوں اور سرکشی، تکبر و رعونت اورفخر کا باعث نہ ہوں، اور دوسری ایسی مباحات جو کہ حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھیں جیسے کہ آٹے کو چھلنی سے چھاننا وغیرہ۔ بعض بدعات حرام ہیں ان میں اہل بدعت کے نفسانی خواہشات کی اتباع میں نئے مذاہب ہیں جو سنت مصطفیٰ ﷺ، جماعت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقوں کے خلاف ہیں۔

(۱) عبدالحق محدث دہلوی، أشعة اللمعات، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ۱: ۱۲۵

۳۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفیؒ (۱۰۸۸ھ)

علامہ علاؤ الدین محمد الحصکفیؒ بھی بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئۃ میں کرتے ہیں لہٰذا اذان کے بعد سلام پڑھنے کو بدعتِ حسنہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

التسليم بعد الأذان حدث فی ربيع الاخر سنة سبعمائة واحدی و ثمانين فی عشاء ليلة الإثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث فی الكل الا المغرب ثم فيها مرتين وهو بدعة حسنة. (۱)

’’اذان کے بعد سلام پڑھنے کی ابتداء سات سو اکیاسی ہجری (۷۸۱ھ) کے ربیع الآخر میں پیر کی شب عشاء کی اذان سے ہوئی، اس کے بعد جمعہ کے دن اذان کے بعد سلام پڑھا گیا اس کے دس سال بعد مغرب کے سوا تمام نمازوں میں دو مرتبہ سلام پڑھا جانے لگا اور یہ بدعت حسنہ ہے۔‘‘

۳۳۔ اِمام ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکیؒ (۱۱۲۲ھ)

اِمام محمد عبد الباقی زرقانیؒ بہت بڑے محدث اور شارح گزرے ہیں وہ حدیث ”نعمت البدعة هذه“(۲) کے ذیل میں بدعت کا مفہوم اور اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سماها بدعة لانه ﷺ لم يسن الإجتماع لها، و هو لغة ما أحدث علی غير مثال سبق، و تطلق شرعاً علی مقابل السنة و هی مالم يكن فی عهده ﷺ ثم تنقسم إلی الأحكام الخمسة و حديث كل

(۱) حصکفی، در مختار علی هامش الرد، ۱ : ۳۶۲

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰

۲۔ بیہقی، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۳۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱/۲۶۶

۴۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك، ۱/۳۴۰

بدعة ضلالة[1] عام مخصوص و قد رغب فيها عمر. (۲)

''باجماعت نماز تراویح کو بدعت سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے لئے اجتماع سنت قرار نہیں دیا اور لغوی اعتبار سے بدعت اس عمل کو کہتے ہیں جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کیا گیا ہو اور شرعی طور پر بدعتِ سیّئہ کو سنت کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ عمل ہوتا ہے جسے عہدِ رسالت ﷺ میں نہ کیا گیا ہو پھر بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی جاتی ہیں اور حدیث ''کل بدعة ضلالة'' عام مخصوص ہے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس (نماز تراویح) کی ترغیب دی ہے۔''

۳۴۔ علامہ مرتضیٰ حسینی الزبیدی الحنفیؒ (۱۲۰۵ھ)

علامہ مرتضیٰ زبیدی حنفیؒ معروف ماہر لغت ہیں وہ اپنی شہرہ آفاق لغت ''تاج العروس من جواھر القاموس'' میں بدعت کی تعریف اور تقسیم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و قال ابن السكيت: البدعَةُ: كُلُّ محدثةٍ و فی حديثِ قِيَامِ رَمَضَانَ نعمت البدعة هذِه[3] و قال ابن الأثير البدعة بدعتان:

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

(۲) زرقانی، شرح المؤطا، ۱: ۲۳۸

(۳) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱: ۱۱۴، رقم: ۲۵۰

۲۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱: ۱۰۵، رقم: ۲۵۰

بدعة هدًى، و بدعة ضلال، فما كان فی خلاف ما أمر الله به فهو فی حيز الذّم والإنكار، وما كان واقعا تحت عموم ما ندب الله إليه و حضَّ عليه أو رسوله فهو فی حيز المدح، وما لم يكن له مثال موجود كنوع من الجود والسخاء و فعل المعروف فهو من الأفعال المحمودة، ولا يجوز أن يكون ذلک فی خلاف ما ورد الشرع به؛ لأن النبی ﷺ قد جعل له فی ذٰلک ثوابا فقال من سنّ سُنة حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها وقال فی ضِدّه ومن سنّ سنة سيّئة كان عليه وزرُها ووِزرُ من عمل بها[1] و ذٰلک إذا كان فی خلاف ما أمر الله به ورسوله ﷺ قال: ومن هٰذا النوع قول عمر رضی الله عنه: نِعمت البدعة هذه. لمَّا كانت من أفعال الخير وداخلة فی حيز المدح سماها بدعة ومدحها؛ لأن النبی ﷺ لم يَسُنَّها لهم، و إنما صلّاها ليالی ثم تركها، ولم يحافظ عليها، ولا جمع الناس لها، ولا كانت فی زمن أبی بكر رضی الله عنه، وإنما عمر رضی الله عنه جمع الناس عليها و ندبهم إليها، فبهذا سمّاها بدعة، وهی علی الحقيقة سنَّة، لقوله ﷺ (عليكم

(١) ١۔ مسلم، الصحيح، ٢: ٧٠٥، كتاب الزكوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ١٠١٧

٢۔ نسائی، السنن، ٥: ٥٥، ٥٦، كتاب الزكاة، باب التحريض علی الصدقه، رقم: ٢٥٥٤

٣۔ ابن ماجه، السنن، ١: ٧٤، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ٢٠٣

٤۔ احمد بن حنبل، المسند، ٤: ٣٥٧۔ ٣٥٩

٥۔ ابن ابی شيبه، المصنف، ٢: ٣٥٠، رقم: ٩٨٠٣

٦۔ بيہقی، السنن الكبریٰ، ٤: ١٧٥، رقم: ٧٥٣١

بسنّتی و سنّة الخلفاء الراشدين من بعدی)[۱] وقوله ﷺ (اقتدوا باللذين من بعدی أبی بکر و عمر)[۲] و علی هذا التأويل يحمل الحديث الآخر (کل محدثة بدعة) إنما يريد ما خالف أصول الشريعة ولم يوافق السُّنَّة. (۳)

’’ابن سِکّيت نے کہا ہے کہ بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں اور جیسا کہ حدیث قیام رمضان میں ’’نعمتِ البدعة هذه‘‘ ہے اور ابن اثیر نے کہا ہے بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت ھدی اور بدعت ضلال جو کام اللہ ﷻ کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے، اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو اور اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے جود و سخاء کی اقسام اور دوسرے نیک کام، پس وہ اچھے کاموں میں سے ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم:۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب المناقب عن الرسول ﷺ، باب مناقب ابی بکر و عمر، ۵/۶۰۹، رقم: ۳۶۶۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فی فضل اصحاب رسول الله ﷺ، ۱/۳۷، رقم:۹۷

۳۔ حاکم، المستدرک، ۳/۷۹، رقم: ۴۴۵۱

(۳) مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، ۱۱:۹

ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جس شخص نے اچھے کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی ملے گا جو برے کام کی ابتداء کرے گا اس کے بارے میں فرمایا: جس شخص نے برے کام کی ابتداء کی اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہو گا اور جو اس برائی کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہو گا اور یہ اس وقت ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو۔ اور اِسی قسم (یعنی بدعتِ حسنہ) میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ’’**نعمت البدعة هذه**‘‘ ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے (لغوی اعتبار سے) بدعت کہا جائے گا مگر ایسے کام کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس (باجماعت نماز تراویح کے) عمل کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر (با جماعت پڑھنا) ترک کر دیا اور (بعد میں) اس پر محافظت نہ فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اور بعد میں نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں (با جماعت) پڑھی گئی پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور ﷺ کے اس قول ’’**علیکم بسنّتی و سنة الخلفاء الراشدين من بعدی**‘‘ اور اس قول ”**اقتدوا باللذين من بعدی أبی بکر و عمر**“ کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ’’**کل محدثة بدعة**‘‘ کو اصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔‘‘

۳۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامیؒ اپنی کتاب **رد المحتار علی در المختار** میں لفظ ”**صاحب بدعة**“ کا مفہوم و مراد واضح کرتے اور بدعت کی متعدد اقسام بیان

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(قوله أی صاحب بدعة) أی محرمة وإلّا فقد تکون واجبة کنصب الأدلة للرد علی أهل الفرق الضالة و تعلم النحو المفهم للکتاب والسنة و مندوبة کإحداث نحو رباط و مدرسة و کل إحسان لم یکن فی الصدر الأول و مکروهة کزخرفة المساجد و مباحة کالتوسع بلذیذ المآکل والمشارب و الثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تهذیب النووی و مثله فی الطریقة المحمدیة للبرکلی.(۱)

’’(قوله أی صاحب بدعة) ان کے قول صاحب بدعت سے مراد بدعت محرمہ ہے اور اگر یہ مراد نہ ہو تو پھر بدعت واجبہ مراد ہے جیسے گمراہ فرقوں کے رد میں دلائل قائم کرنا اور علم النحو کا سیکھنا جو کہ کتاب و سنت کو سمجھانے کا باعث ہے اور اسی طرح بدعت مندوبہ ہوتی ہے جیسے سرحدی چوکیوں، مدارس کی تعمیر اور وہ اچھے کام جو پہلے زمانہ میں نہ تھے ان کا ایجاد کرنا وغیرہ اور اسی طرح مساجد کی تزئین کرنا بدعت مکروہ ہے۔ اور اسی طرح لذیذ کھانے، مشروبات اور ملبوسات وغیرہ میں وسعت اختیار کرنا بدعت مباحہ ہے اور اسی طرح امام مناوی کی ”جامع الصغیر“ میں، امام نووی کی ’’تهذیب“ میں اور امام برکلی کی ’’الطریقه المحمدیه‘‘ میں بھی ایسے ہی درج ہے۔

۳٦۔ شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۵ھ)

یمن کے معروف غیر مقلد عالم شیخ شوکانی جنہیں اہلِ حدیث اور سلفی اپنا اِمام مانتے ہیں، وہ حدیثِ عمر ’’نعمت البدعة هذه‘‘ کے ذیل میں فتح الباری کے حوالے سے بدعت کی پانچ اَقسام بیان کرتے ہیں:

(۱) ابن عابدین شامی، رد المحتار علی درالمختار، ۱:۴۱۴

البدعة أصلها ما أحدث على غير مثال سابق و تطلق فى الشرع على مقابلة السنة فتكون مذمومة والتحقيق إنها إن كانت مما يندرج تحت مستحسن فى الشرع فهى حسنة وإن كانت مما يندرج تحت مستقبح فى الشرع فهى مستقبحة و إلّا فهى من قسم المباح و قد تنقسم إلى الأحكام الخمسة. (۱)

''لغت میں بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اور اصطلاح شرع میں سنت کے مقابلہ میں بدعت کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے یہ مذموم ہے اور تحقیق یہ ہے کہ بدعت اگر کسی ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں مستحسن ہے تو یہ بدعت حسنہ ہے اور اگر ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں قبیح ہے تو یہ بدعت سیئہ ہے ورنہ بدعت مباحہ ہے اور بلا شبہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔''

۳۷۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ)

ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی اپنی تفسیر ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی'' میں علامہ نووی کے حوالے سے بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و تفصيل الكلام فى البدعة ما ذكره الإمام محي الدين النووى فى شرح صحيح مسلم. قال العلماء: البدعة خمسة أقسام واجبة، و مندوبة، و محرمة، و مكروهة، ومباحة فمن الواجبة تعلم أدلة المتكلمين للرد على الملاحدة والمبتدعين و شبه ذلک، ومن المندوبة تصنيف كتب العلم وبناء المدارس والربط و غير ذلک، و من المباحة التبسط فى ألوان الأطعمة و

(۱) شوکانی، نیل الاوطار شرح منتقى الأخبار، ۳: ٦۳

غير ذلک، والحرام والمكروه ظاهران، فعلم أن قوله ﷺ (کل بدعة ضلالة)[(۱)] من العام المخصوص.

و قال صاحب جامع الاصول: الابتداع من المخلوقين إن كان في خلاف من أمر الله تعالى به و رسوله ﷺ فهو في حيز الذم والانکار وإن کان واقعاً تحت عموم ما ندب الله تعالی إليه و حض علیه أو رسوله ﷺ فهو في حيز المدح وإن لم يكن مثاله موجوداً کنوع من الجود والسخاء و فعل المعروف، و يعضد ذلک قول عمر بن الخطاب ﷺ في صلاة التراويح: نعمت البدعة هذه[(۲)].[(۳)]

’’بدعت کی تفصیلی بحث امام محی الدین النوویؒ نے اپنی کتاب شرح صحیح مسلم میں

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴٦۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲٦۷٦

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲٦

۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ٦: ٦۷، رقم: ۷۵۱٦

٦۔ حاکم، المستدرك، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰

۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲٦۹

۳۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱/۲٦٦

۴۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك، ۱/۳۴۰

(۳) آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۱۴:۱۹۲

کی ہے اور دیگر علماء نے کہا ہے بدعت کی پانچ اقسام بدعتِ واجبہ، بدعتِ مستحسبۃ، بدعتِ محرمۃ، بدعتِ مکروھۃ اور بدعتِ مباحۃ ہیں۔ بدعتِ واجب میں سے یہ ہے کہ ملحدین، مبتدعین اور ان جیسے دیگر طبقات کے شبہات کو رد کرنے کے لیے علم الکلام کا حاصل کرنا۔ اور بدعت مستحب کی دلیل یہ ہے کہ کوئی علمی کتاب تصنیف کرنا، مدرسے بنانا، سرائے یا اس جیسی دیگر چیزیں بنانا اس میں شامل ہے اور بدعتِ مباحۃ جیسے رنگ برنگے کھانے اور اس طرح کی چیزوں میں اضافہ وغیرہ جبکہ حرام اور مکروہ دونوں واضح ہیں۔ پس یہ جان لینا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کے قول ''کل بدعة ضلالة'' میں عام سے خاص مراد ہے۔ اور صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں کہ بدعات کی چند اقسام ہیں جو کام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور اگر کسی (کام) کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے جود و سخا کی اقسام اور دوسرے نیک کام اور جس طرح صلاۃ التراویح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے تقویت ملتی ہے کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔''

۳۸۔ مولانا احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ)

مولانا احمد علی سہارنپوری صحیح بخاری کے حاشیہ میں بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة أصلها ما أحدث علی غير مثال سابق و يطلق فی الشرع فی مقابلة السنة فتکون مذمومة والتحقيق إنها إن کانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی حسنة و إن کانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فهی مستقبحة وإلّا فهی من قسم المباح و قد تنقسم الی احکام خمسة قاله فی الفتح ای

واجبة و مندوبة و محرمة و مكروهة و مباحة كذا في الكرماني قال محمد في المؤطا لا باس في شهر رمضان ان يصلى الناس تطوعا و قد روى عن النبي ﷺ ما راه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن وما راه المسلمون قبيحا فهو عندالله قبيح[1]. و في الفتح قال ابن التين وغيره استنبط عمر ذلک من تقرير النبي ﷺ من صلى معه في تلک الليالى و ان كان كره ذلک لهم فانما كرهه خشية ان يفرض عليهم و كان هذا هوا السر في ايراد البخارى لحديث عائشة عقب حديث عمر فلما مات ﷺ حصل الامن من ذلک.[2]

''بدعت سے مراد وہ عمل ہے جو مثال سابق کے بغیر کیا جائے شریعت میں عام طور پر اسے سنت کے مقابلے میں بیان کیا جاتا ہے لہٰذا اس صورت میں یہ مذموم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ شریعت کے مستحسنات کے تحت آجائے تو اسے بدعت حسنہ کہیں گے اور اگر یہ شریعت کے مستقبحات کے تحت آ جائے تو اسے بدعت مستقبحۃ کہیں گے اور اگر یہ دونوں کے تحت نہ آئے تو اسے بدعت مباحہ میں شمار کیا جائے گا اور بے شک یہ پانچ اقسام میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ صاحب فتح الباری نے کہا کہ یہ واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہہ اور مباحہ ہیں اور اسی طرح شرح کرمانی میں ہے امام محمد نے موطا میں ذکر کیا ہے کہ لوگوں کے ماہ رمضان میں نوافل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱) ۱۔ بزار، المسند، ۵: ۲۱۳، رقم: ۱۸۱۶
۲۔ طیالسی، المسند، ۱: ۳۳، رقم: ۲۴۶
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۱۱۲، رقم: ۸۵۸۳
۴۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۵۴
۵۔ بیہقی، الاعتقاد، ۱: ۳۲۲

(۲) سہارنپوری، حاشیہ بخاری، ۱: ۲۶۹

آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کام مسلمانوں کی نظر میں اچھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جو کام مسلمانوں کی نظر میں قبیح ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی برا ہے۔ فتح الباری میں مذکور ہے کہ ابن متین اور دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضور علیہ السلام کی تقریر سے اسی طرح کا استنباط کرتے ہوئے کہا کہ جس نے بھی ان راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور اگر اس میں ان کے لئے کراہت تھی تو وہ اس ڈر سے کراہت تھی کہ کہیں وہ (نماز) ان پر فرض نہ ہو جائے اور یہ وہ راز تھا جسے امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد حضرت عائشہ کی حدیث سے مراد لیا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو اس (نماز کی فرضیت) کا خوف جاتا رہا۔''

۳۹۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (المتوفی ۱۳۰۷ھ)

غیر مقلدین کے نامور عالم دین نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت ترک ہو رہی ہو اور جو نیا کام کسی امرِ شریعت سے متناقص نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے شیخ وحید الزماں اپنی کتاب ھدیۃ المھدی کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضلالة المحرمة هی التی ترفع السنة مثلها والتی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة بل هی مباح الاصل. (۱)

''بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

(۱) وحید الزمان، ہدیۃ المہدی: ۱۱۷

۴۰۔ مولانا وحید الزمان (المتوفی ۱۳۴۲ھ)

مشہور غیر مقلد عالم دین مولانا وحید الزمان بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما البدعة اللغوية فهي تنقسم إلى مباحة ومكروهة و حسنة و سيئة قال الشيخ ولی الله من أصحابنا من البدعة بدعة حسنة كالأخذ بالنواجذ لما حث عليه النبی ﷺ من غير عزم كالتراويح ومنها مباحة كعادات الناس فی الأكل والشرب واللباس وهی هنيئة قلت تدخل فی البدعات المباحة استعمال الورد والرياحين والأزهار للعروس ومن الناس من منع عنها لاجل التشبه بالهنود الكفار قلنا إذا لم ينو التشبه أوجری الأمر المرسوم بين الكفار فی جماعة المسلمين من غير نكير فلا يضر التشبه ككثير من الاقبية والالبسة التی جاء ت من قبل الكفار ثم شاعت بين المسلمين وقد لبس النبیﷺ جبة رومية ضيقة الكمين و قسم الا قبية التی جاء ت من بلاد الكفار علی أصحابه و منها ما هی ترک المسنون و تحريف المشروع وهی الضلالة وقال السيد البدعة الضلالة المحرمة هی التی ترفع السنة مثلها والتی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة بل هی مباح الأصل. (۱)

”باعتبار لغت بدعت کی حسب ذیل اقسام ہیں: بدعت مباحہ، بدعت مکروھہ، بدعت حسنہ اور بدعت سیءہ۔ ہمارے اصحاب میں سے شیخ ولی اللہ نے کہا کہ بدعات میں سے بدعت حسنہ کو دانتوں سے پکڑ لینا چاہیے (یعنی اس پر جم جانا چاہیے) کیونکہ نبی ﷺ نے اس کو واجب کیے بغیر اس پر برانگیختہ کیا ہے جیسے تراویح۔ بدعات میں سے ایک بدعت مباحہ ہے جیسے لوگوں کے کھانے پینے

(۱) وحید الزمان، ہدیة المهدی: ۱۱۷

اور پہننے کے معمولات ہیں اور یہ آسان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دولہا، دلہن کے لئے کلیوں اور پھولوں کا استعمال (جیسے ہار اور سہرا) بھی بدعات مباحہ میں داخل ہے بعض لوگوں نے ہندوؤں سے مشابہت کے سبب اس سے منع کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص تشبّہ کی نیت نہ کرے یا کفار کی کوئی رسم مسلمانوں میں بغیر انکار کے جاری ہو تو اس میں مشابہت سے کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ قباء اور دوسرے لباس کفار کی طرف سے آئے اور مسلمانوں میں رائج ہو گئے اور خود نبی اکرم ﷺ نے تنگ آستینوں والا رومی جبّہ پہنا ہے اور کفار کی طرف سے جو قبائیں آئی تھیں ان کو صحابہ میں تقسیم فرما دیا تھا اور بدعات میں سے ایک وہ بدعت ہے جس سے کوئی سنت ترک ہو رہی ہو اور حکم شرعی میں تبدیلی آئے اور یہی بدعت ضلالہ (سیئہ) ہے۔ نواب صاحب (نواب صدیق حسن بھوپالی) نے کہا ہے کہ بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔‘‘

۴۱۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری بدعتِ لغوی اور بدعتِ شرعی کی تقسیم بیان کرتے ہوئے تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی میں لکھتے ہیں:

بقوله کل بدعة ضلالة(۱) والمراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

له فی الشريعة يدل عليه واما ما كان له أصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعا و إن كان بدعة لغة فقوله ﷺ كل بدعة ضلالة من جوامع الكلم لا يخرج عنه شئ وهو أصل عظيم من أصول الدين واما ما وقع فی كلام السلف من استحسان بعض البدع فإنّما ذلک فی البدع اللغوية لا الشرعية فمن ذلک قول عمر رضی اللہ عنہ فی التراويح (نعمت البدعة هذه)(۱) و روی عنه أنه قال إن كانت هذه بدعة فنعمت البدعة ومن ذٰلک أذان الجمعة الأول زاده عثمان رضی اللہ عنہ(۲) لحاجة الناس إليه و اقره عليٌّ واستمر عمل المسلمين عليه و روی عن ابن عمر أنه قال هو بدعة و لعله اَراد ما أراد ابوه فی التراويح .(۳)

’’حضور ﷺ کے قول ’’کل بدعة ضلالة‘‘ (ہر بدعت گمراہی ہے) میں بدعت سے مراد ایسی نئی چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے اور وہ چیز جس کی اصل شریعت میں موجود ہو جو اس پر دلالت کرے اسے شرعاً بدعت نہیں کہا جا سکتا اگرچہ وہ لغتاً بدعت ہو گی کیونکہ

(۱) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قيام رمضان، ۱/۱۱۴، رقم: ۲۵۰
۲۔ بيہقی، شعب الايمان، ۳/۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹
۳۔ سيوطی، تنوير الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱/۱۰۵، رقم: ۲۵۰
۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم، ۱/۲۶۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳
۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲
۳۔ واديا شی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴
۴۔ شوكانی، نيل الاوطار، ۳: ۳۲۳

(۳) مباركپوری، جامع الترمذی مع شرح تحفة الاحوذی، ۳: ۳۷۸

حضور علیہ السلام کا قول ''کل بدعة ضلالة'' جوامع الکلم میں سے ہے اس سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ یہ دین کے بنیادی اصولوں میں سے ہے اور اَسلاف کے کلام میں جو بعض بدعات کو مستحسنہ قرار دیا گیا ہے تو یہ بدعت لغویہ ہے، شرعیۃ نہیں ہے۔ اور اسی میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نماز تراویح کے بارے میں فرمان ''نعمت البدعة هذه'' ہے اور آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ان کانت هذه بدعة فنعمت البدعة'' (اگر یہ بدعت ہے تو یہ اچھی بدعت ہے) اور جمعہ کی پہلی اذان بھی اسی میں سے ہے جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر شروع کیا تھا اور اسے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے قائم رکھا اور اسی پر مسلمانوں نے مداومت اختیار کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ بدعت ہے کا شاید ان کا ارادہ بھی اس سے وہی تھا جو ان کے والد (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کا نماز تراویح میں تھا (کہ باجماعت نماز تراویح ''نعمت البدعة'' ہے)۔''

۴۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ)

مولانا شبیر احمد عثمانی ''فتح الملهم شرح صحيح مسلم'' میں حدیث ''کل بدعة ضلالة'' کی شرح کرتے ہوئے اقسام بدعت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال علی القاری قال فی الازهار أی کل بدعة سيئة ضلالة لقوله عليه الصلوة والسلام (من سن فی الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها)(۱) و جمع ابوبکر و عمر

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاة، باب التحريض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

←

القرآن(۱) و كتبه زيد فى المصحف و جُدد فى عهد عثمان ﷺ قال النووى البدعة كل شئ عمل على غير مثال سبق و فى الشرع إحداث مالم يكن فى عهد رسول الله ﷺ و قوله كل بدعة ضلالة(۲) عام مخصوص. (۳)

''ملا علی قاریؒ الازھار میں بیان کرتے ہیں کہ ''کل بدعة ضلالة'' سے ہر بدعت سیّئَہ کا گمراہی ہونا مراد ہے اس پر حضور ﷺ کا یہ قول دلیل ہے کہ ''من سن فی الاسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها'' جیسا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے قرآن کو جمع کیا حضرت زید بن ثابت ﷺ

----- ۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔ ۳۵۹
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، رقم: ۴۴۰۲
۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۲۹، کتاب الاحکام، باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً، رقم: ۶۷۶۸
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۲۸۳، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

(۳) عثمانی، فتح الملهم شرح صحیح مسلم، ۲: ۴۰۶

نے اسے مصحف میں لکھا اور عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں اس کی تجدید کی گئی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بدعت ہر اُس عمل کو کہتے ہیں جس کو مثالِ سابق کے بغیر عمل میں لایا جائے اور اِصطلاحِ شرع میں ہر وہ نیا کام جو عہدِ نبوی میں نہ ہوا ہو بدعت کہلاتا ہے اور حدیث کل بدعة ضلالة عام مخصوص ہے۔"

ائمہ و محدّثین کی طرف سے بدعت کی اس تقسیم کے بعد معلوم ہوا کہ اگر بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آجائے تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر مستقبحات کے تحت آجائے (یعنی مخالف دلیل ہو) تو بدعت سیئہ ہے اور اگر ان دونوں میں نہ آئے تو وہ بدعت مباحہ ہے۔

۴۳۔ مولانا محمد زکریا کاندھلوی (المتوفی ۱۴۰۲ھ)

مولانا محمد زکریا کاندھلوی "أوجز المسالک اِلی موطا مالک" میں "نعمت البدعة هذه" کے ذیل میں بدعت کا معنی و مفہوم اور تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والبدعة الممنوعة تكون خلاف السنة، و هذا تصريح منه بأنه أول من جمع الناس فى قيام رمضان على إمام واحد بالجماعة الكبرى، لأن البدعة ما ابتدأ بفعلها المبتدع، ولم يتقدمه غيره، و أراد بالبدعة: اجتماعهم على إمام واحد لا أصل التراويح أو الجماعة، فإنهم كانوا قبل ذلک يصلون أوزاعا لنفسه ومع الرهط.(۱)

"بدعتِ ممنوعہ خلافِ سنت ہوتی ہے۔ اور یہ اس کی وضاحت میں سے ہے کیونکہ یہ (یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ) پہلے شخص تھے جنہوں نے قیام رمضان کے سلسلے میں بڑی جماعت کے لئے لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا۔

(۱) کاندھلوی، أوجز المسالك الى مؤطا مالك، ۲:۲۹۷

کیونکہ بدعت وہ ہوتی ہے جس کی ابتدا کسی بدعتی نے کی ہو اور اس سے پہلے اس کے علاوہ کسی اور نے اس کا اجراء نہ کیا ہو پس اس حدیث میں بدعت سے مراد ایک امام کے پیچھے لوگوں کو مجتمع کرنا ہے نہ کہ نفسِ تراویح یا نفسِ جماعت کا آغاز کرنا کیونکہ صحابہ اس سے قبل الگ الگ یا گروہ کی شکل میں نماز پڑھا کرتے تھے۔‘‘

۴۴۔ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (۱۴۲۱ھ)

عصرِ قریب میں مملکت سعودی عرب کے معروف مفتی شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز نے سعودی حکومت کے شعبہ ’’الافتاء والدعوہ والارشاد‘‘ کے زیرِاہتمام چھپنے والے اپنے فتاویٰ کے مجموعہ ’’فتاوی اللجنة الدائمة للبحُوث العلمية والافتاء‘‘ میں بدعت حسنہ اور بدعت سیہ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

أولاً: قسم العلماء البدعة إلی بدعة دينية و بدعة دنيوية، فالبدعة في الدين هي: إحداث عبادة لم يشرعها الله سبحانه و تعالی وهي التي تراد في الحديث الذي ذکر وما في معناه من الأحاديث. و أما الدنيوية: فما غلب فيها جانب المصلحة علی جانب المفسدة فهي جائزة وإلا فهي ممنوعة ومن أمثلة ذلک ما أحدث من أنواع السلاح والمراکب و نحو ذلک.

ثالثاً: طبع القرآن و کتابته من وسائل حفظه و تعلمه و تعليمه و الوسائل لها حکم الغايات فيکون ذلک مشروعاً و ليس من البدع المنهي عنها؛ لأن الله سبحانه ضمن حفظ القرآن الکريم و هذا من وسائل حفظه. (۱)

’’علماء کرام نے بدعت کو بدعت دینیہ اور بدعت دنیویہ میں تقسیم کیا ہے،

(۱) ابن باز، فتاوی اللجنة الدائمة للبحُوث العلمية والافتاء، ۲:۳۲۵

بدعت دینیہ یہ ہے کہ ایسی عبادت کو شروع کرنا جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشروع نہ کیا ہو اور یہی اس حدیث سے مراد ہے جو ذکر کی جا چکی ہے اور اس طرح کی دیگر احادیث سے بھی یہی مراد ہے اور دوسری بدعت دنیوی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس میں مصلحت والا پہلو فساد والے پہلو پر غالب ہو اور وہ جائز ہے اور اگر ایسا نہ ہو (یعنی مصلحت والا پہلو فساد والے پہلو پر غالب نہ ہو) تو وہ ممنوع ہے۔ اس کی مثالوں میں مختلف اقسام کا اسلحہ سواریاں اور اس جیسی دیگر چیزیں بنانا اسی طرح قرآن پاک کی طباعت و کتابت اس کو حفظ کرنے، اسے سیکھنے اور سکھانے کے وسائل اور وہ وسائل جن کے لیے غایات (اھداف) کا حکم ہے پس یہ ساری چیزیں مشروع ہیں اور ممنوعہ بدعات میں سے نہیں ہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک کے حفظ کی ضمانت دی ہے اور یہ (سب اس کے) وسائل حفظ میں سے ہے۔“

ایک اور سوال کے جواب میں ابن باز بدعت دینیۃ اور بدعت عادیۃ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة تنقسم إلى بدعة دينية و بدعة عادية، فالعادية مثل كل ما جد من الصناعات والاختراعات والأصل فيها الجواز إلا ما دل دليل شرعي على منعه.

أما البدعة الدينية فهي كل ما أحدث في الدين مضاهاة لتشريع الله. (۱)

”بدعت کو بدعت دینیہ اور بدعت عادیہ میں تقسیم کیا جاتا ہے پس بدعت عادیہ سے مراد ہر وہ نئی چیز جو کہ مصنوعات یا ایجادات میں سے ہو اور اصل میں اس پر جواز کا حکم ہے سوائے اس چیز کے کہ جس کے منع پر کوئی شرعی دلیل آ چکی ہو

(۱) ابن باز، فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء، ۲:۹ ۳۲

اور پھر بدعت دینی یہ ہے کہ ہر نئی چیز جو دین میں ایجاد کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شرع کے متشابہ ہو (یہ ناجائز ہے)۔‘‘

بدعت کی لغوی تعریف کے بعد بدعت خیر اور بدعت شرّ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے علامہ ابن باز لکھتے ہیں:

البدعة هي كل ما أحدث على غير مثال سابق، ثم منها ما يتعلق بالمعاملات و شؤون الدنيا كإختراع آلات النقل من طائرات و سيارات و قاطرات وأجهزة الكهرباء وأدوات الطهي والمكيفات التي تستعمل للتدفئة والتبريد وآلات الحرب من قنابل وغواصات و دبابات إلى غير ذلك مما يرجع إلى مصالح العباد في دنياهم فهذه في نفسها لا حرج فيها ولا إثم في إختراعها، أما بالنسبة للمقصد من اختراعها وما تستعمل فيه فإن قصد بها خير واستعين بها فيه فهي خير، وإن قصد بها شر من تخريب و تدمير وإفساد في الأرض واستعين بها في ذلك فهي شر و بلاء. (۱)

’’ہر وہ چیز جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کی جائے بدعت کہلاتی ہے۔ پھر ان میں سے جو چیزیں معاملات اور دنیاوی کاموں میں سے ہوں جیسے نقل و حمل کے آلات میں سے جہاز، گاڑیاں، ریلوے انجن، بجلی کا سامان، صنعتی آلات اور ایئرکنڈیشنرز جو کہ ٹھنڈک اور حرارت کے لئے استعمال ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اور اسی طرح جنگی آلات میں سے ایٹم بم، آبدوزیں اور ٹینک یا اس جیسی دیگر چیزیں جن کو لوگ اپنے دنیاوی فائدہ کے پیش نظر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ فی نفسہ ان کی ایجادات میں نہ تو کوئی گناہ ہے اور نہ ہی کسی قسم کا حرج ہے مگر ان چیزوں کے مقصد ایجاد کے پیش نظر کہا جا سکتا

(۱) ابن باز، فتاوى اللجنة الدائمة للبحُوث العلمية والافتاء، ۲: ۳۲۱

ہے کہ اگر تو ان چیزوں کے استعمال کا مقصد خیر و سلامتی ہے تو ان چیزوں سے خیر کے معاملے میں مدد حاصل کی جا سکتی ہے تو یہ ایک بھلائی ہے اور اگر ان چیزوں کا مقصدِ ایجاد زمین میں شر، فساد، تخریب کاری اور تباہی ہے تو پھر ان سے مدد حاصل کرنا تباہی و بربادی ہے اور یہ ایک شر اور بلاء ہے۔‘‘

۴۵۔ الشیخ محمد بن علوی المالکی المکیؒ (۱۴۲۵ھ)

مکہ مکرمۃ کے معروف عالم دین الشیخ السید محمد بن علوی المالکی الحسنیؒ بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کو لازمی قرار دیتے ہیں، لہٰذا وہ اپنی کتاب ’’مفاهيم يجب أن تصحح‘‘ میں بدعت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن روح الشريعة الإسلامية توجب علينا أن نميز بين أنواع البدعة و أن نقول: إن منها البدعة الحسنة و منها البدعة السيئة، وهذا ما يقتضيه العقل النير والنظر الثاقب.

وهذا ما حققه علماء الأصول من سلف هذه الأمة رضي الله عنهم كالإمام العز بن عبد السلام والنووى والسيوطى والمحلى وابن حجر.

ومن أمثلة ذلك هذا الحديث: كل بدعة ضلالة ...... فلا بد من القول: أن المراد بذلك البدعة السيئة التى لا تدخل تحت أصل شرعى. وهذا التقييد وارد فى غير هذا الحديث كحديث: (لا صلاة لجار المسجد إلّا في المسجد)[1] فهذا الحديث مع أنه يفيد الحصر فى نفى صلاة جار المسجد إلّا أن عمومات

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱: ۴۹۷، رقم: ۱۹۱۵
۲۔ ازدی، مسند الربیع، ۱: ۱۰۸، رقم: ۲۵۶
۳۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۳۷۳، رقم: ۸۹۸
۴۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۱: ۳۹۴

الأحاديث تفيد تقييده بأن لا صلاة كاملة و كحديث: (لا صلاة بحضرة الطعام)[1] قالوا: أی صلاة كاملة و كحديث: (لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه)[2] قالوا: أی إيمانا كاملا و كحديث: (والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن، قيل: من يا رسول الله؟ قال: من لم يأمن جاره بوائقه)[3] و كحديث: (لا يدخل الجنة قتات)[4] (و لا يدخل الجنة قاطع

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد، باب کراهة الصلاة، ۱:۳۹۳، رقم: ۵۶۰
۲۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۲:۶۶، رقم: ۹۳۳
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳:۷۳، رقم: ۴۸۱۶
۴۔ عسقلانی، تهذیب التهذیب، ۶:۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب من الایمان، ۱:۱۴، رقم: ۱۳
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان، ۱:۶۸، رقم: ۴۵
۳۔ نسائی، السنن، کتاب الایمان، باب علامة الایمان، ۸:۱۵۵، رقم: ۵۰۱۶
۴۔ ابن ماجه، السنن، باب فی الایمان، ۱:۲۶، رقم: ۶۶

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الادب، باب اثم من لایامن جاره، ۵:۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۰
۲۔ حاکم، المستدرک، ۱:۵۳، رقم: ۲۱
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸:۱۶۹
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۳۶، رقم: ۸۴۱۳

(۴) ۱۔ بخاری، الصحیح کتاب الادب، باب ما یکره من النمیمة، ۵:۲۲۵۰، رقم: ۵۷۰۹
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم النمیمة، ۱:۱۰۱، رقم: ۱۰۵
←

رحم)[1] (و عاق لوالديه)[2] فالعلماء قالوا: إنه لا يدخل دخولا أوليا أو لا يدخل إذا كان مستحلا لذلك الفعل.

الحاصل أنهم لم يجروه على ظاهره و إنما أولوه بأنواع التأويل.

وحديث البدعة هذا من هذا الباب فعمومات الأحاديث وأحوال الصحابة تفيد أن المقصود به البدعة السيئة التى لا تندرج تحت أصل كلى. وفى الحديث: (من سن سنة حسنة كان له أجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة)[3] وفى الحديث: (عليكم

......۳۔ ترمذی، الجامع الصحیه، کتاب البر والصلة، ۴:۳۷۵، رقم: ۲۰۲۶

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۳۲۸، رقم: ۲۳۲۹۵

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الادب، باب اثم القاطع، ۵:۲۲۳۱، رقم: ۵۶۳۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، ۴:۱۹۸۱، رقم: ۲۵۵۶

۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴:۳۲، رقم: ۳۵۳۷

(۲) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۷:۴۵۴، رقم: ۱۳۸۵۹

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۳:۹۱، رقم: ۲۳۳۵

۳۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶:۱۹۱، رقم: ۷۸۷۳

۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵:۷۵

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۰۵، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقه، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ نسائی، السنن، ۵: ۵۵، ۵۶، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقه، رقم: ۲۵۵۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۱ : ۷۴، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، رقم: ۲۰۳

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۵۷۔ ۳۵۹

بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين)[(۱)] و يقول عمر فی صلاة التراويح: نعمت البدعة هذه.[(۲)] (۳)

''شریعت اسلامیہ کی تعلیمات نے ہم پر لازم کیا ہے کہ ہم انواعِ بدعت میں تمیز و فرق سے کام لیں اور یہ کہیں کہ بعض بدعتِ حسنہ ہیں اور بعض بدعتِ سیئہ ہیں، عقل اور نظرِ ثاقب بھی اسی کو چاہتی ہے۔ اس اُمت کے علماء سلف میں سے علماء اُصول نے اسی کو ثابت کیا ہے جیسا کہ امام عزالدین بن عبدالسلامؒ وعلامہ نووی وسیوطی ومحلی و ابنِ حجر رحمہم اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس کی ایک مثال حدیث وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اس سے مراد وہ بدعتِ سیئہ ہے جو اصلِ شرعی کے تحت داخل نہ ہو۔ یہ قید اور اس طرح کی دیگر قیودات دیگر اَحادیث میں بھی بکثرت وارد ہوئی ہیں جیسا کہ یہ حدیث مبارکہ لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلاَّ فِی الْمَسْجِدِ مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد ہی میں ہوتی ہے۔ اس حدیث پاک میں حصر کے ساتھ مسجد

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۴۴، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، باب ما جاء فی قیام رمضان، ۱: ۱۱۶، رقم: ۲۵۰

۲۔ بیهقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

۳۔ سیوطی، تنویر الحوالك شرح مؤطا مالك، ۱: ۱۰۵، رقم: ۲۵۰

۴۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم الحکم، ۱: ۲۶۶

(۳) علوی المالکی، مفاهیم یجب ان تصحح: ۱۰۲

کے پڑوسی کی نماز کی نفی وارد ہوئی مگر اَحادیثِ کثیرہ کے عموم سے یہ قید اس کے ساتھ مستفاد ہوتی ہے کہ لَا صَلٰوۃَ کَاملۃً نفی کمال کی ہے نہ اصل نماز کی ،اورجیسا کہ حدیثِ پاک ہے "لاصلوۃَ بحضرۃ طَعَامٍ" علماء کرام نے فرمایا اس میں بھی نفی کمال کی ہے بمعنی لَا صَلٰوۃَ کَاملَۃَ اور تیسری حدیث پاک لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه اس میں بھی علماء کرام نے فرمایا کہ مراد لا یؤمنُ ایمانًا کاملاً نفی کمال کی ہے اور چوتھی روایت:و اللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن، قیل: من یا رسول اللہ؟ قال: من لم یأمن جارہ بوائقه. خدا کی قسم مومن نہیں خدا کی قسم مومن نہیں، خدا کی قسم مؤمن نہیں،عرض کیا گیا کہ کون یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کے ظلم سے مامون نہ ہو۔اس میں بھی نفی کمال کی ہے اور پانچویں حدیث:لا یدخل الجنة قتات ...... ولا یدخل الجنة قاطع رحم ...... و عاق لوالدیه ......جنت میں چغل خوری کرنے والا داخل نہ ہوگا اور جنت میں قطع رحمی کرنے والا اور ماں باپ کا نافرمان داخل نہ ہوگا۔

علماء کرام نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لا یدخل دخولاً اوَّلیا یعنی دخول اولی کی نفی ہے۔ یا پھر یہ ہے کہ بالکل جنت میں داخل نہ ہوگا اگر ان افعال کو حلال سمجھ کر کرے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ علماء کرام نے ان احادیث کوظاہر پرمحمول نہیں کیا اور کسی نہ کسی قسم کی تاویل کی ہے اور کل بدعةٍ ضلالةٌ والی حدیث بھی اسی قبیل سے ہے۔ احادیث شریفہ کے عموم اور احوالِ صحابہ سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اس بدعت سے مراد بدعتِ سیئہ ہے جوکسی حاصلِ کلی کے تحت مندرج نہ ہو۔ اور ایک حدیث پاک میں تو یہ ارشاد فرمایا:من سن سنة حسنة کان له أجرها وأجر من عمل بها إلی یوم القیامة ولا ینقص من اجرها شیءٌ۔" جوشخص کوئی بھی اچھا طریقہ جاری کردے تو اس کو اس کا اجروثواب اور ان لوگوں کا

اجروثواب ملے گا جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔‘‘اور دوسری حدیثِ پاک میں ہے:عليكم بسنتی وسنة الخلفآءِ الرَّاشدينَ۔لازم پکڑو میری سنت کو اورخلفاء راشدین ث کی سنت کو۔اور صلاۃ التراویح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:نعمت البدعة هذهِ یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے‘‘

شیخ محمد بن علوی مالکیؒ بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کے مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ينتقد بعضهم تقسيم البدعة إلى حسنة و سيئة، و ينكر على من يقول ذلک اشد الإنكار، بل ومنهم من يرميه بالفسق والضلال، و ذلک لمخالفة صريح قول الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: كل بدعة ضلالة (۱) و هذا اللفظ صريح فی العموم و صريح فی وصف البدعة بالضلالة، ومن هنا تراه يقول: فهل يصح بعد قول المشرع صاحب الرسالة: أن كل بدعة ضلالة يأتی مجتهد أو فقيه مهما كانت رتبته فيقول: لا–لا– ليست كل بدعة ضلالة، بل بعضها ضلالة و بعضها حسنه و بعضها سيئة، و بهذا المدخل يغترّ كثير من الناس فيصيح مع الصّائحين و ينكر مع المنكرين و يكثر سواد هؤلاء الذين لم يفهموا مقاصد الشريعة، ولم يذوقوا روح

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ۵: ۴۴، كتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

الدّين الإسلامي.

ثم لا يلبث إلا يسيرا حتى يضطر إلى إيجاد مخرج يحل له المشاكل التى تصادمه، و يفسّر له الواقع الذى يعيشه، إنه يضطر إلى اللجوء إلى اختراع وسيلة أخرى، لولاها لما يستطيع أن يأكل ولا يشرب ولا يسكن، بل ولا يلبس ولا يتنفس ولا يتزوج ولا يتعامل مع نفسه ولا أهله ولا إخوانه ولا مجتمعه، هذه الوسيلة هى أن يقول باللفظ الصريح: إن البدعة تنقسم إلى بدعة دينية ودنيوية، يا سبحان الله لقد أجاز هذا المتلاعب لنفسه أن يخترع هذا التقسيم أو على الأقل أن يخترع هذه التسمية ولو سلّمنا أن هذا المعنى كان موجودا منذ عهد النبوة لكن هذا التسمية: دينية ودنيوية لم تكن موجودة قطعا فى عهد التشريع النبوي فمن أين جاء هذا التقسيم؟ ومن أين جاء ت هذه التسمية المبتدعة؟ فمن قال: إن تقسيم البدعة إلى حسنة وسيئة لم يأت من الشارع نقول له: وكذا تقسيم البدعة إلى دينية غير مقبولة، و دنيوية مقبولة هو عين الابتداع والاختراع.فالشارع يقول: (كل بدعة ضلالة) هكذا بالاطلاق، وهذا يقول: لا. لا ليست كل بدعة ضلالة بالاطلاق، بل إن البدعة تنقسم إلى قسمين :دينيه وهى الضلالة، ودنيوية وهى التى لا شئى فيها. (۱)

بعض لوگ بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کرنے پر تنقید کرتے ہیں اور جو لوگ اس کی تقسیم کے قائل ہیں ان کا بہت شدت سے رد کرتے ہیں بلکہ بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو ان پر فسق اور گمراہی کے فتوے لگاتے ہیں اور یہ رد اس لئے کرتے ہیں کہ اس تقسیم سے رسول اللہ ﷺ کے صریح قول اور واضح ارشاد وَكُلُّ

(۱) علوى المالكى، مفاهيم يجب ان تصحح : ۱۰۴

بِدْعَةٍ ضَلاَلَۃٌ کی مخالفت ہوتی ہے جبکہ یہ قول صراحۃً ہر بدعت کو شامل ہے اور اس کی گمراہی پر بھی صریح ہے۔ اسی وجہ سے تم ان کو یہ کہتا دیکھو گے کیا صاحبِ شریعت صاحب رسالت ﷺ کے اس فرمان کے بعد ہر بدعت گمراہی ہے کسی مجتہد یا فقیہ یا جو بھی اس کا رتبہ ہو یہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے کہ ”نہیں نہیں ہر بدعت گمراہی نہیں بلکہ بعض بدعتیں گمراہی ہیں، بعض اچھی اور بعض بری ہیں۔“

اور اس طرح کے اعتراضات کی وجہ سے بہت سے لوگ دھوکہ میں آجاتے ہیں اور وہ بھی ان معترضین کے ساتھ چیخ اٹھتے ہیں اور منکرین کے ساتھ وہ بھی انکار کر بیٹھتے ہیں چنانچہ ان لوگوں کی جماعت بڑھتی جاتی ہے جنہوں نے نہ مقاصدِ شرعیہ کو سمجھا اور نہ وہ دینِ اسلام کی روح سے آشنا ہوئے۔

پھر چند روز ہی گزرتے ہیں کہ یہی معترضین ایسی مشکل میں پڑجاتے ہیں جس سے بچنے کی راہ نکالنا ان کے لئے دشوار ہوتا ہے اور ان کی روز مرہ کی معیشت اس کی واضح دلیل ہے۔ لازماً وہ ایسے حیلہ کی پناہ لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ جس کے بغیر ان کے لئے کھانا پینا اور رہنا سہنا بلکہ لباس پہننا اور سانس لینا تک مشکل ہوجائے اور جس حیلہ کے بغیر نہ تو وہ ذاتی اور خانگی معاملات طے کرسکتے ہیں۔ اور نہ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں سے کوئی معاملہ کرسکتے ہیں۔ اور وہ حیلہ یہ ہے کہ وہ واضح لفظوں میں کہہ اُٹھتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعتِ دینیہ اور بدعتِ دنیویہ۔

افسوس صد افسوس: ان کھلاڑیوں نے کیسے اپنے نفس کے لئے یہ تقسیم گھڑلی یا کم از کم یہ نام کس طرح گھڑ لیا۔ اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ چیزیں عہدِ رسالت میں موجود تھیں تو یہ بدعت کی تقسیم دینیہ اور دنیویہ کی تو عہدرسالت میں ہرگز موجود نہ تھی، تو پھر یہ تقسیم کہاں سے آ گئی؟ اور یہ نو ایجاد بدعتی نام کہاں سے آ گیا؟

لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدعت کو حسنہ اور سیئہ کی طرف منقسم کرنا شارع

کی طرف سے نہیں ہے اس لئے غلط ہے تو ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ بالکل اسی طرح بدعت کو ناپسندیدہ بدعت دینیہ اور پسندیدہ بدعتِ دنیویہ کی طرف منقسم کرنا بھی اختراع اور بدعت ہے۔ اس لئے کہ شارع علیہ السلام تو علی الاطلاق فرماتے ہیں کہ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ جبکہ یہ کہتے ہیں کہ نہیں نہیں، ہر بدعت مطلقاً گمراہی نہیں بلکہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعتِ دینیہ اور وہ گمراہی ہے اور بدعتِ دنیویہ جس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔

شیخ مالکیؒ بدعت کی تقسیم اور اس پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ولذا لا بد أن نوضح هنا مسألة مهمة وبها ينجلى كثير من الإشكال، ويزول اللبس إن شاء الله.

وهو أن المتكلم هنا هو الشارع الحكيم، فلسانه هو لسان الشرع، فلا بد من فهم كلامه على الميزان الشرعى الذى جاء به، وإذا علمت أن البدعة فى الأصل هى: كل ما أحدث واخترع على غير مثال فلا يغيب عن ذهنک أن الزيادة أو الإختراع المذموم هنا هو الزيادة فى أمر الدين ليصير من أمر الدين، والزيادة فى الشريعة ليأخذ صبغة الشريعة، فيصير شريعة متبعة منسوبة لصاحب الشريعة، وهذا هو الذى حذر منه سيدنا رسول الله ﷺ بقوله: (من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد)[1]

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۳: ۱۳۴۳، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمه الكتاب، ۱: ۷، باب تعظيم حديث رسول الله، رقم: ۱۴

۳۔ احمد بن حنبل، المسند: ۶: ۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲

فالحد الفاصل فى الموضوع هو قوله: (فى أمرنا هذا).

ولذلک فإن تقسيم البدعة إلى حسنة وسيئة فى مفهومنا ليس إلا للبدعة اللغوية التى هى مجرد الاختراع والاحداث، ولا نشک جميعا فى أن البدعة بالمعنى الشرعى ليست إلا ضلالة وفتنة مذمومة مردودة مبغوضة، ولو فهم أولئک المنكرون هذا المعنى لظهر لهم أن محل الاجتماع قريب موطن النزاع بعيد.

وزيادة فى التقريب بين الأفهام أرى أن منكرى التقسيم إنما ينكرون تقسيم البدعة الشرعية بدليل تقسيمهم البدعة إلى دينية ودنيويه، وإعتبارهم ذلک ضرورة.

وأن القائلين بالتقسيم إلى حسنة وسيئة يرون أن هذا إنما هو بالنسبة للبدعة اللغوية لأنهم يقولون: إن الزيادة فى الدين والشريعة ضلالة وسيئة كبيرة، ولا شک فى ذلک عندهم فالخلاف شكلى، غير أنى أرى أن إخواننا المنكرين لتقسيم البدعة إلى حسنة وسيئة، والقائلين بتقسيمها إلى دينية ودنيوية لم يحالفهم الحظ فى دقة التعبير

وذلک لأنهم لما حكموا بأن البدعة الدينية ضلالة. وهذا حق. وحكموا بأن البدعة الدنيوية لا شيىء فيها قد أساؤا الحكم لأنهم بهذا قد حكموا على كل بدعة دنيوية بالإباحة، وفى هذا خطر عظيم، وتقع به فتنة ومصيبة، ولا بد حينئذ من تفصيل واجب و ضرورى للقضية، وهو أن يقولوا: إن هذا البدعة الدنيوية منها ما هو خير و منها ما هو شر كما هو الواقع المشاهد الذى لا ينكره إلاَّ أعمى جاهل، وهذه الزيادة لا بد منها، ويكفى فى تحقيق هذا المعنى بدقة قول من قال: بأن البدعة تنقسم إلى

حسنة وسيئة، و معلوم أن المراد بها اللغوية كما تقدم، وهى التى عبر عنها المنكرون بالدنيوية، وهذا القول فى غاية الدقة والإحتياط، وهو ينادى على كل جديد بالانضباط والإنصياع لحكم الشرع وقواعد الدين، ويُلزم المسلمين أن يعرضوا كل ما جدّ لهم و أحدث من أمورهم الدنيوية العامة والخاصة على الشريعة الإسلاميه ليرى حكم الإسلام فيها مهما كانت تلك البدعة، وهذه لا يتحقق إلا بالتقسيم الرائع المعتبر عن أئمة الأصول. (۱)

’’یہاں ضروری ہے کہ ہم ایک اہم مسئلہ کی وضاحت کر دیں جس کی روشنی میں بہت سے اشکالات حل ہوجائیں گے اور بہت سے شبہات دور ہوجائیں گے۔ ان شاء اللّٰہ تعالی.

وہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَة کے قول کے متکلم شارع حکیم ہیں۔ان کا فرمان شرعی فرمان ہے اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کے فرمان کو انھی کے لائے ہوئے شرعی میزان میں پرکھا جائے۔ اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ بدعت اصلاً ہر نو پیداوار اور نو ایجاد چیز کو کہا جاتا ہےتو تمہارے ذہن میں یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ زیادتی اور نئی ایجاد وہ ممنوع ہے جو دین میں کی جائے اور دینی چیز قرار دینے کے لئے ہو اور شریعت میں شرعی رنگ دینے کے لئے کی جائے۔ تاکہ وہ زیادتی قابل اتباع شرعی چیز بن کر صاحبِ شریعت ﷺ کی طرف منسوب ہوجائے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے ہمارے آقا اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے قول کے ذریعہ ڈرایا ہے کہ: **من احدث فى امرنا هذا ماليس منه فهورد** جو ہمارے اس دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو درحقیقت دین سے نہ ہو وہ مردود ہے۔اس لئے اس موضوع

(۲) علوی المالکی، مفاهيم يجب ان تصحح : ۱۰۲۔۱۰۶

میں حدِ فاصل آپ کا یہ فرمان ’’فی امرنا ھذا‘‘ ہے اور اسی لئے ہمارے نزدیک بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کرنا صرف اور صرف لغوی اعتبار سے ہے (اور بدعتِ لغوی کا مفہوم نوپید اور نو ایجاد ہے)

بلاشبہ ہم بدعت کے شرعی مفہوم کے اعتبار سے معترضین کے ساتھ متفق ہیں کہ وہ بدعت گمراہی اور فتنہ ہے، جو مذموم، مردود اور انتہائی ناپسندیدہ ہے اور اگر معترضین اس حقیقت کو سمجھ لیتے تو ان پر خود روشن ہوجاتا کہ ہمارا آپس میں تقریباً اتفاق ہی ہے اور جھگڑنے والی کوئی بات نہیں۔

اور میرے ذہن میں ایک اور بات بھی ہے جس سے دونوں قسم کے خیالات ایک معلوم ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ بدعت کی تقسیم کے منکر ہیں وہ صرف بدعتِ شرعیہ کی تقسیم کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی بدعت کو دینیہ اور دنیویہ کی طرف منقسم کردیا ہے اور اس پر اعتبار کرنا ان کی ضرورت ہے۔

اور جو لوگ بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کرتے ہیں وہ بدعت لغویہ کے اعتبار کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ بھی تو کہنا ہے کہ دین اور شریعت میں زیادتی کرنا گمراہی اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اور یہ بات ان کے نزدیک بلاشبہ ثابت ہے اس لئے یہ ایک صوری اختلاف ہے (حقیقۃً نہیں)۔

اگرچہ میرے خیال میں ہمارے بھائی بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کرنے کے منکر ہیں اور بدعت کو دینیہ اور دنیویہ پر تقسیم کرتے ہیں ان کی بات زیادہ باریک بینی اور احتیاط پر مبنی نہیں، کیونکہ جب انہوں نے بدعتِ دینیہ کو گمراہی کہا (اور یہ بات حق بھی ہے) اور بدعتِ دنیویہ پر یہ حکم لگایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں تو ان کی یہ بات کوئی اچھی نہیں کیونکہ اس طرح تو انہوں نے ہر بدعت دنیویہ کو مباح کہہ دیا جب کہ اس میں بہت عظیم خطرہ ہے اور اس سے تو بڑا فتنہ اور مصیبت واقع ہوسکتی ہے جس کی بناء پر بہت ضروری ہوا کہ اس قضیہ کے ساتھ یہ تفصیل بھی وہ بیان کریں کہ ’’بدعتِ دنیویہ میں بھی بعض

امور خیر ہیں اور بعض امور شر ہیں۔ کوئی اندھا اور جاہل ہی ہوگا جو ان امور شر کا نظارہ نہ کرتا ہو اس لئے اس تفصیل کا بیان بہت ضروری ہے۔

اور جو لوگ بدعت کو حسنہ اور سیئہ پر منقسم کرتے ہیں اور یہ بات متحقق ہے کہ ان کی مراد اس سے بدعتِ لغویہ ہے جیسا کہ پہلے (کلام) گزر چکا ہے (اور اس تقسیم کے منکرین اسی کو بدعتِ دنیویہ سے تعبیر کرتے ہیں) ان لوگوں نے اس مفہوم کو بہت مختصراً اور دقیق انداز میں بیان کیا ہے اور ان کا یہ قول انتہائی باریک بینی اور احتیاط پر مبنی ہے۔ اور یہ قول ہر نو ایجاد چیز کو شرعی احکام اور دینی قواعد کا پابند کرر ہا ہے اور تمام مسلمین پر یہ لازم کر رہا ہے کہ ان کے سامنے جب بھی کوئی بدعت آئے اور کسی بھی نو ایجاد چیز سے ان کو واسطہ پڑے عموماً دنیاوی اُمور میں اور خصوصاً شرعی اُمور میں تو وہ اس میں شرعی حکم معلوم کریں اور یہ مفہوم جبھی ہو گا کہ بدعت کو ائمہ اصول کے قول کے مطابق عمدہ اور معتبر طور پر تقسیم کیا جائے۔"

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ **آجرّی**، ابو بکر محمد بن حسین بن عبداللہ (م ۳۶۰ھ)۔ **کتاب الشریعة**۔ ریاض، سعودی عرب: دار الوطن، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۳۔ **آلوسی**، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (۱۲۷۰ھ)۔ **روح المعاني فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثاني**۔ بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۴۔ **ابن ابی حاتم رازی**، ابو محمد عبد الرحمٰن (۲۴۰۔۳۶۷/۸۵۴۔۹۳۸)**الجرح و التعدیل**۔، حیدرآباد دکن، بھارت، مجلس دائرہ معارف عثمانیہ۔

۵۔ **ابن ابی دنیا**، عبداللہ بن محمد ابوبکر القریشی (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ **مکارم الاخلاق**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ القرآن، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۶۔ **ابن ابی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ **المصنف**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۷۔ **ابن ابی عاصم**، ابوبکر بن عمرو بن ضحاک بن مخلد شیبانی (۲۰۶۔۲۸۷ھ/ ۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ **السنہ**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ۔

۸۔ **ابن اثیر**، ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔۶۳۰ھ/ ۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ **الکامل فی التاریخ**۔ بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

۹۔ **ابن اثیر**، ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبدالواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **النهایه فی غریب**

الحديث و الأثر۔ قم، ایران: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۶۴ھ۔

۱۰۔ **ابن باز**، عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز، (۱۴۲۱ھ)۔ **فتاوی اللّجنه الدائمة للبحوث العلميه و الإفتاء**۔ الریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۱۲ھ۔

۱۱۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **منهاج السنة**۔ مصر: مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق۔

۱۲۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **کتب و رسائل و فتاوی ابن تیمیه فی الفقه**۔ مکتبۃ ابن تیمیہ۔

۱۳۔ **ابن جارود**، ابو محمد عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری (۳۰۷ھ)۔ **المنتقی من السنن المسندة**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتاب الثقافیۃ، ۱۴۱۸ھ/۱۹۸۸ء۔

۱۴۔ **ابن جعد**، ابو الحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/۷۵۰۔۸۴۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۵۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **المنتظم فی تاريخ الملوک و الأمم**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء۔

۱۶۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **تلبيس إبليس**۔ قاھرہ، مصر: منشورات مکتبۃ التحریر۔

۱۷۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ

(۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **التحقیق فی أحادیث الخلاف**۔بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ،۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۸۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ **طبقات المحدثین باصبهان و الواردین علیها**۔ بیروت، لبنان: موسسہ الرسالۃ،۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۱۹۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ،۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۲۰۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ **السیرة النبویة واخبار الخلفاء**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۲۱۔ **ابن حجر مکی**، الشیخ احمد شہاب الدین بن حجر الھیتمی المکی (۹۰۹/ ۹۷۴ھ)۔ **فتاوی حدیثیة**۔ القاہرہ، مصر: مکتبہ مصطفیٰ البانی الحلبی، ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء۔

۲۲۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ **الاحکام فی أُصول الاحکام**۔ فیصل آباد، پاکستان: ضیاء السنہ ادارۃ الترجمۃ والتعریف، ۱۴۰۴ھ۔

۲۳۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ **المحلی بالآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدیدہ۔

۲۴۔ **ابن حمید**، عبد بن حمید بن نصر ابو محمد الکسي (۲۴۹ھ)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنۃ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء

۲۵۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۲۶۔ **ابن خلدون**، عبدالرحمٰن بن خلدون (۷۳۶۔۸۰۸ھ)۔ **تاریخ ابن خلدون**۔ ازہر، مصر: المطبعۃ البھیۃ المصریۃ۔

۲۷۔ **ابن راھویہ**، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبداللہ (۱۶۱۔ ۲۳۷ھ/۷۷۸۔۸۵۱ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۲۸۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ **جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۰۸ھ۔

۲۹۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ **التخویف من النار**۔ دمشق: مکتبہ دار البیان، ۱۳۹۹ھ۔

۳۰۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ و النشر، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۳۱۔ **ابن سلام**، ابی عبدالقاسم بن سلام (۲۲۴ھ)۔ **کتاب الأموال**۔ قاہرہ، مصر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

۳۲۔ **ابن عابدین شامی**، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴۔ ۱۳۰۶ھ)۔ **رد المحتار علی درالمختار**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۳۳۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ۔

۳۴۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ **التمھید**۔ مغرب (مراکش): وزارت

عموم الأوقاف والشؤون الإسلامیہ، ۱۳۸۷ھ۔

۳۵۔ **ابن عبدالسلام**، امام عزالدین بن عبدالسلام السلمی الشافعی (۵۷۷۔۶۶۰ھ/۱۱۸۱۔ ۱۲۶۲ء)۔ **قواعدالأحکام فی مصالح الأنام۔** بیروت، لبنان: ناشر دارالکتب العلمیۃ۔

۳۶۔ **ابن عبدالسلام**، امام عزالدین بن عبدالسلام السلمی الشافعی (۵۷۷۔۶۶۰ھ/۱۱۸۱۔۱۲۶۲ء)۔**فتاوی العز بن عبد السلام**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ، ۱۴۰۶ھ

۳۷۔ **ابن فارس(۱۰۰۴ھ)**، تحقیق عبدالسلام ہارون، **معجم مقاییس اللغة**، بیروت، لبنان دارالکتب العلمیۃ

۳۸۔ **ابن قتیبه**، ابو محمد عبداللہ بن مسلم الدینوری (۲۱۳۔۲۷۶ھ)۔**المعارف**۔ قاہرۃ، دار المعارف

۳۹۔ **ابن قدامہ**،ابومحمد عبداللہ بن احمد المقدسی (۶۲۰ھ)۔ **المغنی فی فقه الامام احمد بن حنبل الشیبانی**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر،۱۴۰۵ھ۔

۴۰۔ **ابن قیم**، محمد ابی بکر، ایوب الزرعی، ابو عبداللہ، (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔**أعلام الموقعین عن رب العالمین**۔ مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۷۴ھ

۴۱۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایه و النهایه**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۲۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تحفة الطالب**۔ مکہ مکرمۃ، دار حراء، ۱۴۰۶ھ۔

۴۳۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۴۴۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔

السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء۔

۴۵۔ **ابن منظور افریقی**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور المصری الافریقی (۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دار صادر

۴۶۔ **ابن نجیم**، الشیخ زین بن ابرہیم بن محمد بن محمد بن بکر الحنفی (۹۷۰ھ)، **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**۔**مصر**: مطبوعۃ مطبعۃ علمیۃ، ۱۳۱۱ھ

۴۷۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (۶۸۱ھ) ۔**فتح القدیر**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ

۴۸۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (۶۸۱ھ) **شرح فتح القدیر**۔مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبری۔

۴۹۔ **ابو احمد الجرجانی**، عبداللہ بن عدی الجرجانی (۳۶۵ھ) ۔**الکامل فی الضعفاء الرجال**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ۔

۵۰۔ **ابو الحسن لأ شعری**، امام ابو الحسن علی الأ شعری (۳۲۴ھ/ ۹۳۶ء)۔ **مقالات الاسلامیین و إختلاف المصلین**۔مصر: مکتبۃ النہضۃ المصریۃ۔

۵۱۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۵۲۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۵۳۔ **ابوطالب القاضی** ( )۔ **علل الترمذی الکبیر**۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، مکتبہ النھضہ العربیہ، ۱۴۰۹ھ۔

۵۴۔ **ابو عوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ،

۱۹۹۸ء۔

۵۵۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔ ۱۰۳۸ء)۔ **حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۵۶۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔ ۱۰۳۸ء)۔ **المسند المستخرج علی صحیح مسلم۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء۔

۵۷۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔ ۱۰۳۸ء)۔ **مسند الامام ابی حنیفه۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ۔

۵۸۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔ ۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔ ۹۱۹ء)۔ **المسند۔** دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۵۹۔ **ابویعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔ ۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔ ۹۱۹ء)۔ **المعجم۔** فیصل آباد، پاکستان: ادارۃ العلوم والاثریہ، ۱۴۰۷ھ۔

۶۰۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔ ۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔ ۸۵۵ء)۔ **فضائل الصحابه۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ۔

۶۱۔ **احمد بن حنبل**، ابوعبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔ ۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔ ۸۵۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۶۲۔ **احمد بن حنبل**، ابوعبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔ ۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔ ۸۵۵ء)۔ **الرّد علیٰ الجهمية و الزّنادقة** . الریاض، سعودی عرب: اِدارات البحوث العلمیۃ و

الإفتاء والدعوة والإرشاد۔

۶۳۔ **أزدی،** ربیع بن حبیب بن عمر بصری۔ **الجامع الصحیح مسند الامام الربیع بن حبیب۔** بیروت، لبنان: دارالحکمۃ، ۱۴۱۵ھ۔

۶۴۔ **اِسماعیل حقی،** علامہ اِسماعیل حقی حنفیؒ (۱۱۳۷ھ)۔ **تفسیر روح البیان۔** کوئٹہ، پاکستان: مکتبۂ اِسلامیہ کوئٹہ۔

۶۵۔ **باقری،** الشیخ جعفر محمد علی الباقری۔ البدعۃ۔ قم، ایران: رابطۃ الثقافۃ والعلاقات الإسلامیۃ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء

۶۶۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۶۷۔ **برکتی،** محمد بن عمیم الاحسان المجددی ( )۔ **قواعد الفقہ۔** کراچی، پاکستان، الصدف پبلشرز، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء

۶۸۔ **بزار،** ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۶۹۔ **بلاذری،** احمد بن یحی بن جابر البلازری (۲۷۹ھ) ۔**فتوح البلدان۔** بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۷۰۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ۔** مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۷۱۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **کتاب الاعتقاد۔** بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدید، ۱۴۰۱ھ۔

۷۲۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **المدخل اِلٰی السنن الکبریٰ**۔ الکویت، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۷۳۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **شُعَبُ الایمان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۷۴۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔ ۸۹۲ء)۔ **الجامع الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۷۵۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **الجامع الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۷۶۔ **ثعالبی**، ابو منصور عبدالملک بن محمد بن اسماعیل الثعالبی (۳۵۰۔۴۲۹ھ)۔ **ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب**۔ القاہرہ، دار المعارف، ۱۹۶۵ء

۷۷۔ **جرجانی**، علی بن محمد بن علی، سید شریف (۷۴۰۔ ۸۱۶ھ)۔ **التعریفات**۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ حمادیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۷۸۔ **جصاص، أحمد بن علی الرازی ابو بکر (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ **أحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث، ۱۴۰۵ھ۔

۷۹۔ **جوہری**، اسماعیل بن حماد الجوہری ۔**الصحاح فی اللغة والعلوم**۔ بیروت، دار الحضارۃ العربیۃ۔

۸۰۔ **جوینی**، ابو المعالی عبد الملک بن عبداللہ بن یوسف (۴۷۸ھ)۔ **البرہان فی أصول الفقه**۔ المنصورہ، مصر: مطبع الوفاء، ۱۴۱۸ھ

۸۱۔ **حارث**، الحارث بن أبي أسامة/ الحافظ نور الدین الہیثمی (۱۸۶۔ ۲۸۳ھ) ۔**مسند الحارث (زوائد الهيثمی)**۔ المدینۃ المنورۃ، مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویہ، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

۸۲۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۸۳۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ مکہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع۔

۸۴۔ **حسینی**، ابراہیم بن محمد (۱۰۵۴۔۱۱۲۰ھ)۔ **البیان و التعریف**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۱ھ۔

۸۵۔ **حصکفی**، علامہ الشیخ علاء الدین الحصکفی (۱۰۸۸ھ۔۱۶۷۷ء)۔ **در مختار علی هامش الرد**۔ کراچی، پاکستان: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۸۶۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ **السیرة الحلبیة/ انسان العیون**۔ بیروت، لبنان، دارالمعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۸۷۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ **غنیة المستملی شرح منیة المصلی**۔ دہلی، انڈیا، مطبع مجتبائی۔

۸۸۔ **حموی**، ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ (متوفی: ۶۲۶ھ)۔ **المعجم البلدان**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر۔

۸۹۔ **حمیدی**، ابو بکر عبداللہ بن زبیر (م ۲۱۹ھ/۸۳۴ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبی۔

۹۰۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت

(۳۹۲۔ ۴۶۳ھ/۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ **تاریخ بغداد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۱۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔ ۴۶۳ھ/۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ **موضع اوہام الجمع والتفریق**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۲۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۹۳۔ **دارقطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

۹۴۔ **دارقطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **علل دار قطنی**۔ الریاض، سعودی عرب، دار الطیبہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔

۹۵۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۹۶۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **تاریخ الاسلام**۔ القاہرۃ، مصر: مطبعۃ المدنی۔

۹۷۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **سیر أعلام النبلاء**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۳ھ۔

۹۸۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **میزان الإعتدال فی نقد الرجال**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء۔

۹۹۔ **ذهبی**، شمس الدین محمد بن احمد الذهبی (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **العبر فی خبر من غبر**۔ مکۃ المکرّمۃ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع، ۱۴۰۵ھ

۱۰۰۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **التفسیر الکبیر**۔ تہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

۱۰۱۔ **رامہر مزی**، ابوالحسن حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد الرامھرمزی (۲۶۰۔۳۶۰ھ)۔ **المحدث الفاصل بین الراوی والواعی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۴ھ۔

۱۰۲۔ **رامہر مزی**، ابوالحسن حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد الرامھرمزی (۲۶۰۔۳۶۰ھ)۔ **امثال الحدیث**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۹ھ۔

۱۰۳۔ **رحیلی**، الدکتور ابراہیم بن عامر الرحیلی۔ **موقف أهل السنة والجماعة من أهل الاهواء و البدع**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم ۱۴۲۲ھ

۱۰۴۔ **رویانی**، ابو بکر فی بن ہارون (م ۳۰۷ھ)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۱۰۵۔ **زبیدی**، امام محبّ الدین ابوفیض السید محمد مرتضی الحسینی الواسطی الزبیدی الحنفی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ/ ۱۷۳۲-۱۷۹۱ء)۔ **تاج العروس من جواهر القاموس**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۴ء/ ۱۴۱۴ھ۔

۱۰۶۔ **زرقانی**، ابوعبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ **شرح الزرقانی علی مؤطا الإمام مالک**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ۔

۱۰۷۔ **زرکشی**، علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی (۷۹۴ھ)۔**المنثور فی القواعد** ۔کویت: وزارۃ الاوقاف، ۱۴۰۵ھ

۱۰۸۔ **زمخشری**، امام جاراللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۲۷۔۵۳۸ھ)۔ **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل**۔ قاھرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء

۱۰۹۔ **زیلعی** ، ابو محمد عبداللہ بن یوسف حنفی (م ۷۶۲ھ)۔ **نصب الرایۃ لأحادیث الھدایہ**۔ مصر: دارالحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۱۱۰۔ **سخاوی**، الشیخ شمس الدین محمد عبد الرحمٰن السخاوی(۹۰۲ھ)۔**القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع**۔مدینہ منورہ، سعودی عرب: المکتبۃ العلمیہ، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء۔

۱۱۱۔ **سخاوی**، الشیخ شمس الدین محمد عبدالرحمٰن السخاوی(۹۰۲ھ)۔**فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۱۲۔ **سدوسی**، یعقوب بن شیبۃ بن لصلت السدوسی ابو یوسف(۱۸۲۔۲۶۸ھ)۔**مسند عمر بن الخطاب** ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۱۳۔ **سرخسی**، امام شمس الدین السرخسی (۴۸۳ھ)۔**کتاب المبسوط**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

سنوسی، علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی(۸۹۵ھ) **مکمل إکمال المعلم**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۱۴۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔**الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر النذیر** ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔

۱۱۵۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **تاریخ الخلفاء**۔ بغداد، عراق: مکتبة الشرق الجدید۔
۱۱۶۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الإشباه والنظائر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ۔
۱۱۷۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح السنن ابن ماجه**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ۔
۱۱۸۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی**۔ سعودی عرب: مکتبہ الریاض الحدیثة
۱۱۹۔ **سیوطی**، امام جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمان بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان السیوطی، (۸۴۹-۹۱۱ھ / ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج**۔ بیروت، لبنان: شرکة دار الأرقم بن ابی الأرقم۔
۱۲۰۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الحاوی للفتاوی**۔ لائلپور، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔
۱۲۱۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **حسن المقصد فی عمل المولد**۔ بیروت لبنان: دارالکتب العلمیة (۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ھ)۔
۱۲۲۔ **سیوطی**، جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن

عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ **تنویر الحوالک شرح موطا مالک**، مصر: مکتبہ التجاریہ الکبری، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء۔

۱۲۳۔ **سہارنپوری،** احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ)۔ **حاشیہ بخاری**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء۔

۱۲۴۔ **شاشی**، ابو سعید ہیثم بن کلیب بن شریح (م ۳۳۵ھ/۹۴۶ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۱۰ھ۔

۱۲۵۔ **شاطبی،** ابراہیم بن موسی اللخمی الشاطبی (۹۰ھ)۔ **الاعتصام**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۲۶۔ **شاطبی،** ابراہیم بن موسی اللخمی الشاطبی (۹۰ھ)۔**الموافقات فی اصول الشریعہ**۔قاھرہ، مصر مطبع المدنی، ۱۹۶۹ء۔

۱۲۷۔ **شاہ ولی اللہ،** محدث دہلوی، (متوفی: ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۲ء)۔ **ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء**۔ قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔

۱۲۸۔ **شبیر احمد عثمانی،** (۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء)۔**فتح الملھم بشرح صحیح مسلم**۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ۔

۱۲۹۔ **شربینی**، الشیخ محمد الشربینی الخطیب، (۹۷۷ھ)۔**مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنھاج**۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث العربی، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۳۰۔ **شروانی،** الشیخ عبدالحمید الشروانی ( )۔**حواشی الشروانی**۔ دار صادر۔

۱۳۱۔ **شعرانی**، ابو العمران عبدالوھاب بن احمد بن علی ال الشافعی المصری المعروف بالشعرانی، (۸۹۸۔۹۷۳ھ)۔ **الیواقیت و الجواھر فی بیان عقائد الاکابر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء۔

۱۳۲۔ **شمس الحق،** محمد شمس الحق عظیم آبادی أبو طیب۔ **عون المعبود شرح سنن ابی داؤد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ۔

۱۳۳۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ **نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۳۴۔ **شہرستانی**، ابو الفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر أحمد (۴۷۹۔۵۴۸ھ)۔ **الملل والنحل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفة، ۲۰۰۱ء۔

۱۳۵۔ **شیبانی**، ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ **الآحاد و المثانی**۔ ریاض، سعودی عرب: دار الرایہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۱۳۶۔ **صالحی شامی**، ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف شامی (م ۹۴۲ھ/۱۵۳۶ء)۔ **سبل الهدیٰ و الرشاد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۱۳۷۔ **صنعانی**، محمد بن اسماعیل امیر (۷۷۳۔۸۵۲ھ)۔ **سبل السلام شرح بلوغ المرام**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۷۹ھ

۱۳۸۔ **طاہر القادری**، ڈاکٹر محمد طاہر القادری ۔ **عرفان القرآن**۔ لاہور، پاکستان: منہاج القرآن پبلی کیشنز۔ **۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء**

۱۳۹۔ **طاہر پٹنی**، علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۸۶ھ) **مجمع بحار الانوار**۔ لکھنؤ۔ انڈیا: مطبع منشی نولکشور۔

۱۴۰۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء۔

۱۴۱۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الاوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۴۲۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۴۳۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۴۴۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاریخ الامم والملوک**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۴۵۔ **طبری**، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تھذیب الآثار**۔ مصر، القاہرہ: مطبعۃ المدنی۔

۱۴۶۔ **طحاوی**، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ **شرح معانی الآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۴۷۔ **طحطاوی**، احمد بن محمد طحطاوی (۱۲۳۱ھ) **حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح**، مصر: مطبع مصطفیٰ البابی، ۱۳۵۶ھ

۱۴۸۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۴۹۔ **عبدالحق محدث دہلوی** (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ **أشعة اللمعات**۔ سکھر، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۷۶ء۔

۱۵۰۔ **عبدالحیٔ احمد العکری الدمشقی**، (۱۰۸۹ھ) **شذرات الذھب فی أخبار من ذھب**، بیروت، لبنان، ۔ دار الکتب العلمیہ۔

۱۵۱۔ **عبدالرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/ ۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۵۲۔ **عبدالقادر جیلانی**، ابو صالح شیخ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ الجیلانی البغدادی (۴۷۰۔۵۶۱ھ)۔ **غنیۃ الطالبین**۔ بیروت، لبنان: المکتبۃ الثقافیۃ۔

۱۵۳۔ **عبدالقاهر بغدادی() الفرق بین الفرق۔** بیروت، لبنان: دارالمعرفة

۱۵۴۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الهادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ **کشف الخفا و مزیل الإلباس عما اشتهر من الأحادیث علی ألسنة الناس۔** بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۵۵۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **الاصابه فی تمییز الصحابه۔** بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۵۶۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **تلخیص الحبیرفی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر** ۔المدینة المنورة، سعودیہ: ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء۔

۱۵۷۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔** لاہور، پاکستان: دارنشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۵۸۔ **ابن حجر عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی + عمان + اُردن: دار عمار، ۱۴۰۵ھ۔

۱۵۹۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **لسان المیزان۔** بیروت، لبنان، مؤسسة الأعلمی المطبوعات، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۶۰۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/

۲ ۷۷ ۱۳ ـ ۱۴۴۹ء)۔ **تهذيب التهذيب**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۱۶۱۔ **علوی المالکی**، السید محمد بن علوی المالکی الحسنی، (۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)،**مفاهيم يجب ان تصحح**، ابوظہبی: دار الفجر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۶۲۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔**عمدة القاری شرح صحيح البخاری**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

۱۶۳۔ **غامدی**، سعید بن ناصر الغامدی۔ **حقيقة البدعة و أحكامها**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشید، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء

۱۶۴۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔**إحياء علوم الدين**۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء۔

۱۶۵۔ **فراہیدی**، خلیل بن احمد (۷۸۶ھ)، **کتاب العين**۔ دارالرشید للنشر۔

۱۶۶۔ **قرافی**، علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس بن عبدالرحمٰن الصنہاجی المشہور بالقرافی (۶۸۴ھ)۔ **انوار البروق فی انوارالفروق**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ۔

۱۶۷۔ **قرطبی**، ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لاحكام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۶۸۔ **قسطلانی**، ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی (۹۲۳ھ)۔ **ارشاد الساری لشرح صحيح البخاری**۔ مصر: دار الفکر، ۱۳۰۴ھ۔

۱۶۹۔ **قضاعی**، ابوعبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء)۔ **مسند الشهاب**۔ بیروت، لبنان:

مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸٦ء۔

۱۷۰۔ **کاندھلوی**، محمد زکریا الکاندھلوی (۱۳۵۱ھ/۱۴۰۲ھ)۔ **أوجز المسالک الی مؤطا مالک**۔ ملتان، پاکستان: ادارہ تالیفات اشرفیہ۔

۱۷۱۔ **کرمانی**، علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی (۷۹٦ھ) ۔**الکواکب الدراری في شرح صحیح البخاری**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۵٦ھ/ ۱۹۷۳ء۔

۱۷۲۔ **کنانی**، احمد بن ابی بکر بن اسماعیل (۷٦۲۔۸۴۰ھ)۔ **مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه**۔ بیروت، لبنان: دارالعربیۃ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۷۳۔ **لالکائی**، ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور اللالکائی (۴۱۸ھ)۔**شرح أصول إعتقاد أهل السنه و الجماعة من الكتاب والسنة وإجماع الصحابة**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء۔

۱۷۴۔ **لوئس معلوف**، (۱۸٦۷۔۱۹۴٦ء/۱۲۸۳۔۱۳٦۵ھ)۔ **المنجد فی اللغة**۔ بیروت، لبنان: دارالمشرق، ۱۹۷۳ء۔

۱۷۵۔ **مالک**، ابن انس بن مالکؓ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔**الموطا**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰٦ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۷٦۔ **ماوردی**، علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی (۴۵۰ھ)۔ **الاحکام السلطانیه والولایات الدینیة**. مصر، مکتبہ التوفیقیہ۔

۱۷۷۔ **مبارکپوری**، محمد عبدالرحمان بن عبدالرحیم ابوالعلا المبارکپوری (۱۲۸۳۔۱۳۵۳ھ)۔ **تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۷۸۔ **محبّ طبری**، ابو جعفر احمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم

(۶۱۵۔۶۹۴ھ/ ۱۲۱۸۔۱۲۹۵ء)۔ **الرياض النضره فی مناقب العشره۔** بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۶ء۔

۱۷۹۔ **مروزی،** محمد بن نصر بن الحجاج، ابو عبداللہ (۲۰۲۔۲۹۴ھ)۔ **السنه۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۸ھ۔

۱۸۰۔ **مزی،** ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/ ۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ **تهذيب الكمال۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۸۱۔ **مسلم،** ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحيح۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۸۲۔ **مقدسی ،** شیخ ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الرحمان الحنبلی المقدسی (۵۶۷۔۶۴۳ھ)۔**الاحاديث المختارة۔**مکۃ المکرّمۃ ، مکتبۃ النھضۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۸۳۔ **مقدسی،** محمد بن عبد الواحد حنبلی (م ۶۴۳ھ)۔ **الاحاديث المختاره۔** فضائل بیت المقدس۔ شام: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۱۸۴۔ **مقرئی،** ابوعمر و عثمان بن سعید المقرئی الدانی (۳۷۱۔۴۴۴ھ)۔ **السنن الواردة فی الفتن۔** الریاض، دار العاصمۃ، ۱۴۱۶ھ۔

۱۸۵۔ **ملا علی قاری،** نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء)۔ **مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح۔** بمبئی، بھارت، اصح المطابع۔

۱۸۶۔ **مناوی،** عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فيض القدير شرح الجامع الصغير۔** مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۱۸۷۔ **منذری،** ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد

(۵۸۱۔۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب و الترهیب من الحدیث الشریف**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۸۸۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۸۹۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔**السنن الکبری**۔بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۱۹۰۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔**عمل الیوم و اللیلة**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۷ھ

۱۹۱۔ **نسفی**، امام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفی (۷۱۰ھ)، **مدارک التنزیل و حقائق التاویل**، بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی

۱۹۲۔ **نعیم بن حماد**، ابوعبداللہ المروزی (م: ۲۸۸ھ)۔ **الفتن**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ التوحید، ۱۴۱۲ھ۔

۱۹۳۔ **نووی**، ابوزکریا یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ **تهذیب الاسماء و اللغات**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۹۴۔ **نووی**، ابو زکریا، یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ **شرح صحیح مسلم**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔

۱۹۵۔ **نیشاپوری**، محمد بن عبد اللہ بن حمدویہ الحاکم النیساپوری ابو عبداللہ (۳۲۱۔۴۰۵ھ)۔**المدخل الی الصحیح**۔بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۴ھ۔

۱۹۶۔ **وادیاشی**، عمر بن علی بن احمد الوادیاشی الاندلسی (۷۲۳۔۸۰۴ھ)۔ **تحفة**

المحتاج الى ادلة المنهاج۔ مكة المكرّمة، دار حراء، ۱۴۰۶ھ۔

۱۹۷۔ **وشتانی**، امام ابو عبد اللہ محمد خلفة الوشتانی (۸۲۷ھ أو ۸۲۸ھ)۔ **إكمال إكمال المعلم شرح صحيح مسلم**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیة۔

۱۹۸۔ **وحید الزمان**، (۱۳۲۷ھ)۔ **هدية المهدی**۔ فیصل آباد، پاکستان: چشتی کتب خانہ، ۱۹۸۷ء۔

۱۹۹۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد و منبع الفوئد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۲۰۰۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **موارد الظمآن اِلی زوائد ابن حبان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۲۰۱۔ **ہندی**، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ **كنز العمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹۔

۲۰۲۔ **یعقوبی**، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح الکاتب العباسی (م۲۸۷ھ/ ۸۹۷ء)۔ **تاریخ الیعقوبی**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔